ماہنامہ تذکرہ کراچی

ماہ نومبر ۱۹۵۴ء قیمت فی پرچہ چھ ۶ آنے

مدیر لئیق محمد

مقام اشاعت آرام باغ کراچی پاکستان

قیمت
فی پرچہ، چھ آنے
سالانہ، چار روپے
خط و کتابت و ترسیلِ رقم کا پتہ
دفتر ماہنامہ "تذکرہ"،
آرام باغ فریر روڈ
کراچی۔ پاکستان

ماہنامہ تذکرہ کراچی

جلد ۲
شمارہ ۹
نومبر ۱۹۵۷ء
مطابق
ربیع الاول
۱۳۷۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برسبیلِ تذکرہ

ماہِ ربیع الاوّل

ربیع الاول کا مہینہ ایک یادگار مہینہ ہے۔ یہ مبارک مہینہ ی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسی ماہ سراجِ نبوت ن ہوا اور اسی ماہ گُل ہوا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے اور اسی بنا ریخی مہینہ ہمارے لئے ہر سال ایک پیام لاتا ہے، صرف خوشی کا نہیں بلکہ ایک ذمہ داری اور نہایت اہم ذمہ داری کا!

اِس ماہ کا پیغام

اِس ماہ کا ہر شخص کے لئے بس ایک ہی پیغام ہے یعنی اپنے ت کا جائزہ لیکر کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی اور اپنے رہ کی اصلاح کرنا۔ یہی وہ ماہ ہے جب کہ اصلاحِ امّت اور ت کا بارِ گراں رسول اللہ صلعم سے منتقل ہوکر ہمارے کندھوں پر آگیا۔ رسول اللہ صلعم کے بعد آپ کے صحابہ رض ذمہ داری کو پوری طرح نباہا اور بحسن و خوبی انجام دیا۔

لیکن اس کے بعد جتنی اِس فرض کی اہمیت و ضرورت بڑھتی گئی اُتنے ہی نا اہل اور غفلت شعار اشخاص اِس منصب پر قابض ہوتے گئے۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے اور اِس دَور میں نہایت عیاں ہے۔ خدا کے احکام ایک ایک کرکے بُھلائے گئے، تعلیماتِ الٰہیہ کو پسِ پُشت ڈالا گیا، خدا کی زمین ظلم و فساد سے بھر گئی، ہر طرف بربریت کا دَور دَورہ ہوا۔ عیّاشی و اوباشی نے خوب رواج پایا، ذلّت و نکبت نے ڈیرے ڈالے، خوش حالوں کو عیش و عشرت نے ڈبویا، ناداروں کو عُسرت نے تباہ کیا، گناہ و معصیت کا بازار گرم ہوا، شیطان نے اپنے جال پھیلائے اور وہ کامیاب نکلا۔ الغرض جو اُمّت، ظلمت و گمراہی کے سیاہ پردے چاک کرنے کھڑی ہوئی تھی، وہ خود تاریکیوں میں بھٹک کر رہ گئی، جو قوم دوسروں کی تشنگیٔ ہدایت بجھانے کے لئے آگے بڑھی تھی، وہ خود گھونٹ گھونٹ کو ترسنے لگی۔

اِن حالات کے تحت ہمیں غور کرنا چاہیے کہ وقت کا تقاضا کیا ہے اور ہمارا فرض ہمیں کس بات کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ اِس سوچ بچار اور غور و فکر کے لئے اِس ماہ سے بہتر اور کون سا موقعہ ہو سکتا ہے۔ میلاد النبی منانے کا یہ طریقہ کسی طرح بھی سود مند نہیں کہ ہم چراغاں کرتے پھریں یا چند گزشتہ واقعات کہہ سُن کر دادِ تحسین بلند کر دیں۔ واللہ یہ دعوت وہ نہیں جو محض کھوکھلے نعروں سے بلند کی جائے یا تیل جلا کر پھیلائی جائے۔ اس کے لئے مسلسل و پیہم عملی جدوجہد اور تیل کی جگہ خون بہانے کی ضرورت ہے یہ دعوتِ عمل مانگتی ہے اور قربانی طلب کرتی ہے۔

علماء کا فرض

اِس بارے میں سب سے زیادہ ذمہ داری طبقۂ علماء پر عائد ہوتی ہے کہ پہلے وہ خود بیدار ہوں اور پھر غافلوں کو بیدار کریں۔ خداوند تعالےٰ نے یہ خدمتِ ہدایت ان کے ذمہ واجب کر دی ہے، اپنا حقیقی فرض انہیں ادا کرنا چاہیئے۔

یہی طائفہ قلیلہ ہے جو صحرائے بیکراں سے گزرنے والے قافلہ کا زادِ راہ اپنی پشت پر لادے ہوئے ہے۔ لیکن اس کی اکثریت نہ خود اس سے مستفید ہوتی ہے نہ دوسروں کو فیضیاب ہونے دیتی ہے۔ یہی وہ مختصر سی جماعت ہے جس کے پاس اِس صحرائے ظلمات میں بھٹکتے ہوئے کارواں کی روشنی کا سامان موجود ہے۔ لیکن اس کے بیشتر افراد ان مشعلوں سے نہ خود بہرہ اندوز ہوتے ہیں، نہ دوسروں کو اس نور سے فیضیاب کرتے ہیں۔

اِس گروہِ علماء کے سامنے خلقِ خدا اپنی زبانِ حال سے چیخ رہی ہے کہ ہماری فریاد سُنو، ہمیں اِس تیرہ و تار قعرِ ضلالت سے نجات دو، ہمارے تشنہ لبوں کو سیراب کرو، ہمارے سیاہ قلوب کو صیقل کرو، اپنی مشعلیں روشن کرو اور انہیں اوپر اُٹھاؤ کہ ہم راہ پا سکیں لیکن افسوس اُن کے کانوں پر جُوں تک نہیں رینگتی۔ وہ اسی طرح مشعلیں ان کو پوشیدہ رکھے ہوئے ہیں تو تشنۂ سفر کو گرہ در گرہ دے کر بے فیض ہیں، زبانیں گُنگ ہیں، لب خاموش اور اعضاء بے حس و حرکت

وقت کا تقاضا

لازم تو یہ تھا کہ یہ راہ گم کردہ عوام خواہ طلبِ ہدایت و تقاضا کریں یا نہ کریں، علماء اپنا فرض ادا کرتے، خود سنورتے دوسروں کو سنوا اور تمام قوم کی اصلاح اُن کا واحد مقصد ہوتا۔ اگر وہ اِس مقصد کے حصو لئے کچھ عرصہ بھی نہایت خلوص اور تندہی سے کام کرتے تو اُن کی یہ جدّوجہ نہ جاتی۔ مشکلات کے خواہ کتنے ہی پہاڑ ٹوٹتے، مصائب کتنے ہی پیش آ مخالفت خواہ کتنی ہی شدت اختیار کر لیتی، لیکن اُن کی محنت اُن کی سعی و ک ہرگز بیکار ثابت نہ ہوتی۔ کیا یہی کچھ آنحضرت صلعم کے ساتھ نہ ہوا تھا جن کا می آج ہم کھڑے ہوئے ہیں، جن کے اُسوہ پر چلنے کی ہم تلقین کر رہے ہیں۔ آپ پر محن کے سخت سے سخت دَور آئے، مخالفتوں کی دیواریں کھڑی کی گئیں آپ بلا کسی ہچکچاہٹ اور کمزوری کے اپنے مشن کی تکمیل میں کوشاں رہے ہوا، دس برس بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ آپ اللہ کے حکم سے فتحمندی کی حا اللہ کی طرف دعوت دیتے ہوئے روشن چراغ کی طرح مکہ میں داخل ہوئے کامل شریعت کی بنیاد ڈالی، ایک فاضلِ امّت کو کھڑا کیا اور ایک عاد کی تعمیر شروع کر دی۔

لہٰذا فی زمانہ اگر ضرورت ہے تو عمل و جدّوجہد اور ذاتی اخلاق و کر ورنہ نا ممکن ہے کہ ایک باعمل اور نیک اخلاق انسان کسی شخص کو بھی متاثر جس طرح یہ محال ہے کہ برف کسی دوسری چیز کو ٹھنڈا کئے بغیر رہ سکے یا آ دوسری اشیاء کو گرم نہ کر سکے۔

اس موقعۂ میلاد و وفات پر ہماری اپیل نائبِ رسول ہونے کے د علماء اور مذہبی زعماء سے ہے کہ وہ اپنا موقف سمجھیں اور اپنے فرض کی اور نیابتِ رسول کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی طرف توجہ دیں۔ واللہ الم

(ادارہ)

تفسیرِ قرآن

سُورۃ البقرہ

(۲۱)

(خواجہ محمد عبد الحی فاروقی)

(۱۰۰) اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (۱۰۱) وَلَمَّا جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ
مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ
كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

"آیا کیا، جب یہ عہد باندھیں گے، تو اُن میں سے ایک جماعت اس کو پھینک دے گی، بلکہ ان میں سے اکثر یقین نہیں کرتے، اور جب اللہ کی طرف سے اُن کے پاس رسول پہنچا، جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو اُن کے پاس ہے تو کتاب پانے والوں میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، گویا جانتے ہی نہیں"

کتاب پر عمل کرنا تمھارا مقصد نہیں، تمھاری قومی خصوصیت عہد کرنا اور توڑنا۔ تمھارے پاس مختلف اوقات میں توراۃ کی تصدیق کرنے والے رسول آتے رہے مگر تم نے اُن کی کوئی پرواہ نہ کی اب بھی مسلمانوں پر الزام رکھنے کے لئے تم نے یہ دریافت کیا کہ وحی لانے والا کون ہے؟ ورنہ یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ صداقت ظاہر ہونے کے بعد اس کو مان بھی لو گے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک قوم اپنی تمام دنیاوی عزتوں کو کھو بیٹھتی ہے تو اُس وقت یہ کہنا شروع کر دیتی ہے کہ مذہب کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں، وہ صرف روحانیت کی تعلیم دیتا ہے اور آخرت کی کامیابی کا ذمّہ لیتا ہے۔ مذہبی لوگ دنیا کی حکومت و سرفرازی اور عزّت و رفعت سے محروم رہتے ہیں، اِس لئے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے کہ یہی جہادِ اکبر ہے اور اِسی پر نجات کا دار و مدار۔

کسی نبی کی تعلیم روحانیت تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ وہ دین اور دُنیا، مذہب اور سیاست، روحانیت و مادّیت دونوں کی جامع ہوتی ہے[1]

---

[1] آج کل مسلمان بھی اِس مرض میں مبتلا ہیں حالانکہ کتاب و سنّت کی تصریحات پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ سیاست اور مذہب ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، اِس ذیل میں ہمارے سامنے سب سے پہلے سورہ نور کی یہ آیت آتی ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (۲۴:۵۴) "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں، اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت ضرور نوازش کرے گا، جیسے ان لوگوں کو حکومت نوازش کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اور جس دین کو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے، اس کو ان کے لئے جما کر رہے گا اور خوف و خطر جو اُن کو لاحق ہے، اس کے بعد اُن کو اُس کے بدلے میں امن دے گا"

اِس آیت میں مسلمانوں کو خلافتِ ارضی، دین کے جماؤ اور امن بعد از خوف کا وعدہ دیا ہے۔ اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ ۴)

(۱۰۲) وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ
السِّحْرَ ۗ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ
وَمَارُوْتَ ۗ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) دوسری جگہ فرمایا: لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (۳: ۱۳۹) اور ہمت نہ ہارو اور آزردہ خاطر نہ ہو اور اگر تم سچے مسلمان ہو تو آخر کار تمہارا ہی بول بالا ہے۔ سورۂ صف میں آیا ھُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ "اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا کہ تمام ادیانِ عالم پر اُس کو غلبہ و اقتدار عطا کرے" اس کے ہم معنی سورۂ بقرہ میں فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ○ شہید کے معنی یہی ہیں کہ لوگوں کا نگرانِ کار و محافظ ہو اور تمام قومیں اُس کی سرپرستی میں کام کریں۔ موسیٰ کو جب فرعون کے پاس بھیجا گیا، تو ان کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا ان ادوا الی عباد اللہ اور فارسل معنا بنی اسرائیل۔ یہی سیاست کا اور مغز تھا جو موسٰی کی نبوت کا مقصد تھا۔ اِن کے علاوہ قرآنِ حکیم کی اور آیات بھی پیش کی جا سکتی ہیں، مگر طوالت کے خوف سے اُن کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

احادیث بھی اِس موضوع پر اِس کثرت سے ہیں کہ اُن کا استقصاء اور احاطہ بہت مشکل ہے۔ صرف ایک حدیث پر ہم اکتفا کرتے ہیں:- شکونا الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وھو متوسد بردۃ لہ فی ظل الکعبۃ، قلنا الا تدعو اللہ لنا؟ قال کان الرجل فی من قبلکم یحفر لہ فی الارض فیجعل فیہ فیجاء بالمنشار فیوضع علی راسہ فیشق وما یصدہ ذلک عن دینہ ویمشط بامشاط الحدید ما دون لحمہ من عظم وعصب، وما یصدہ ذلک عن دینہ واللہ یتمن ھذا الامر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الا اللہ ولکنکم تستعجلون۔ ہجرت سے پیشتر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ اعدائے دین کے ظلم و جور کی حد ہو گئی، آپ ہمارے لئے دُعا نہیں کرتے؟ فرمایا تم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزر چکے ہیں کہ ظالموں نے اُن کو گڑھوں میں کھڑا کر کے آرہ سے چیر دیا۔ مگر اِس پر بھی انھوں نے حق سے مُنہ نہ موڑا۔ اور ایسا ہوا کہ حق پرستوں کی کھالوں پر لوہے کی کنگھیاں پھرائی گئیں جو گوشت کو ہڈی اور پٹھے سے جُدا کر دیتی تھیں لیکن اس کو بھی اُنھوں نے برداشت کر لیا اور حق سے انحراف نہ کیا۔ خدا کی قسم! دعوتِ حق کا جو کام شروع ہوا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ وہ وقت قریب ہے جب یمن سے حضرموت تک ایک سوار چلا جائے گا اور اُس کے دل میں اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہ ہو گا۔ یعنی راہ میں ہر جگہ صرف مسلمان ہی ہوں گے کوئی غیر نہ ہو گا جو حملہ کرے یا لُوٹے۔ یہ ہونے والا ہے مگر تم جلدی کرتے ہو۔

ایک اور حدیث میں عدی بن حاتم سے امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: لترین الظعینۃ تحل من الحیرۃ حتی تطوف بالکعبۃ اور لتفتحن کنوز کسریٰ۔ آپ نے فرمایا: عدی اگر تم جیتے رہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ "حیرۃ" سے ایک پردہ نشین عورت تنہا سفر کر کے آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی۔ اور اِس تمام سفر میں اللہ کے سوا کوئی چیز اُس کے لئے موجبِ خوف نہ ہو گی۔ اور قریب ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسریٰ کے خزانے کھول دیئے جائیں۔ عدی کہتے ہیں کہ میں زندہ رہا اور دونوں باتیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں (باقی ص

فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ
الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا
بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَ
لَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ○
(۱۰۳) وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ
اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ○

۱۰۲۔ اور اس علم کے پیچھے پڑگئے، جس کو شیطان، سلیمانؑ کی سلطنت میں پڑھتے تھے اور سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیطانوں نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھاتے اور اُس علم کی پیروی کی جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اُترا، اور وہ کسی کو نہ سکھاتے جب تک نہ کہتے کہ ہم آزمائش ہیں، پس تم کافر مت بنو، پھر اُن سے سیکھتے وہ چیز جس سے مرد اور اس کی عورت میں جُدائی ڈالتے، اور اللہ کی اجازت کے بغیر وہ اس جادو سے کسی کو نقصان نہ پہنچا سکتے، اور وہ چیز سیکھتے ہیں جس سے اُن کو نقصان ہے اور فائدہ نہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ جو کوئی جادو کا خریدار ہو اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بہت بُری چیز ہے، جس پر اُنھوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے۔ کاش انھیں سمجھ ہوتی، اور اگر وہ یقین لاتے اور پرہیز کرتے، تو اللہ کے پاس بہتر بدلہ تھا۔ کاش انھیں سمجھ ہوتی"

مذہبی لوگوں کی عزت و حرمت کا اصلی سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ کتابِ الٰہی کے محافظ اور اس کی تعلیمات کے ناشر ہوتے ہیں، لیکن جس وقت اِس فرضِ جلیل کو ترک کر دیتے ہیں، تو ان کی عزّت بھی جاتی رہتی ہے اور وہ "شرّ البریّة" بن جاتے ہیں، اُن کی کوشش یہی رہتی ہے کہ باوجود اِس بدعملی و بدکرداری کے لوگ اُن کا احترام کریں۔ نذریں اور ہدیے ان کے سامنے پیش ہوں اور عوام النّاس انھیں اپنا امام و پیشوا تسلیم کریں، چونکہ ان کے پاس صحیح تعلیم نہیں ہوتی، اور اخلاقِ فاضلہ سے دُور ہوتے ہیں، اِس لئے خدع و فریب اور حیلہ سازی سے کام لے کر اپنی عزّت برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِن آیات میں اِس قسم کی شرارتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کے معجزات بیان کئے گئے ہیں، مگر بنی اسرائیل نے اُن کی ذاتِ اقدس کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) وکنت فی من افتتح کنوز کسریٰ! (اور میں اُن لوگوں میں سے تھا جنھوں نے کسریٰ کے خزانوں کو فتح کیا) کتاب و سنت کے یہ چند اشارات صاحب فہم کے لئے کافی ہیں، کس طرح رسول اللہ صلعم کی یہ پیشین گوئی مسلمانوں کے حق میں ثابت ہو رہی ہے کہ لتتبعن سنن من کان قبلکم حتّٰی کہ لو دخلوا جحر ضب لدخلتموہ بھی پورا ہو گیا، اب انتظار کرنے والوں کے لئے بجز انتظار غفلت کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ اِس لئے کہ یہودیوں کی مغضوبیت، نصاریٰ کی ضلالت، مشرکین کی بُت پرستی، اقتدار بغیر سنّت، ان میں سے ہر ایک نحوست مسلمانوں پر چھا گئی، اور اب بطن الارض خیر من ظہرھا کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ زمین کے کیڑوں کے لئے زندگی میں عیش ہے اور جنگل کے درندوں کے لئے جینے میں راحت، مگر ایک مسلمان کے لئے اب زمین کی پیٹھ پر کوئی خوشی باقی نہیں رہی، مگر یہ کہ غلامانہ اور محکومانہ زندگی بسر کرے، اور اپنی ذلتوں کا بوجھ اُٹھائے اُس کے نیچے چلا جائے ——— نہ گلم نہ برگ سبزم، نہ درخت سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا؟

صدہا مزخرافات اور مافوق الفطرت عجائب و غرائب منسوب کئے جیسے مسلمانوں میں امیر حمزہ، ایک فرضی ہیرو کی نسبت حیرت انگیز واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ سلاطین کی پہلی کتاب میں سلیمان کی طرف کفر، اور معبودانِ باطل کی پرستش بھی منسوب کی گئی ہے:

"اُس کی سات سو جورویں و بیگمات تھیں اور تین سو حرمیں، اور اس کی جوروؤں نے اُس کے دل کو پھیرا، کیونکہ ایسا ہوا کہ جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اُس کی جوروؤں نے اُس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا، اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف کامل نہ تھا، جیسا اس کے باپ داؤد کا تھا، .... اور سلیمان نے خداوند کی نظر میں بدی کی، اور اُس نے خداوند کی پوری پیروی اپنے باپ داؤد کی طرح نہ کی .... سو از بسکہ اُس کا دل خداوندِ اسرائیل کے خدا سے جو اُسے دوبارہ دکھائی دیا برگشتہ ہوا، اِس لئے خداوند سلیمان پر غضبناک ہوا۔" (۱سلاطین، ۱۱: ۳ و ۴ و ۶ و ۹)

یہودیوں نے فسق و فجور کی راہ اختیار کی، حضرت سلیمان کی حکومت میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے، اور ان تمام باتوں کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کرتے، قرآن نے ایک جلیل القدر پیغمبر کی معصومیت اور طہارت کا اعلان کیا اور بتا دیا کہ خدا کا پیغمبر کبھی کفر و مشرکانہ رسوم کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ تمام تر شرارت یہودیوں کی ہے جو ایک پیکرِ قدوسیت اور مجسمۂ پاکبازی کو کافر بناتے ہیں اور اس طرح اعلان کرتے ہیں کہ عہدِ عتیق میں لفظی و معنوی تحریف ہوئی ہے۔ صحائفِ آسمانی میں سے قرآن صرف ان امور کی تصدیق کرتا ہے جو حقیقت میں ایسے ہی ہیں، اور جہاں غلطی ہوتی ہے۔ فوراً اس سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور سچائی کا اعلان کر دیتا ہے۔

بابل، عہدِ قدیم کا نہایت ہی بارونق اور شاندار شہر تھا کسی زمانہ میں وہ تہذیب و شائستگی کا مرکز تھا، اُس کی جائے وقوع دریائے فرات کے کنارے تھی۔ عراقِ عرب کا دارالسلطنت ہونا، اُس کی شہرت و عظمت کا اور زیادہ باعث بن گیا، اُس کے کھنڈرات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان شہر تمدن و حضارت کا گھر تھا، کہتے ہیں کہ اس کی فصیل ۵۵ میل لمبی، ۳۴۰ فٹ بلند اور ۸۵ فٹ چوڑی تھی، جس وقت بخت نصر نے یہودیوں کو تباہ کیا ہے، یہ شہر اپنے انتہائی عروج پر تھا۔

یہودی قید ہو کر بابل میں آباد ہو گئے، اب ان کے لئے حکومت کی جگہ غلامی، عزت کی بجائے ذلت اور تختِ سلطنت کی جگہ گردِ مذلت و نکبت تھی، خدا کا وعدہ اُن کے حق میں پورا ہو کر رہا وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتٰب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا ○ فاذا جاء وعد اولٰهما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلل الدیار وکان وعدا مفعولا ○ (۱۷: ۴ و ۵) "اور ہم نے بنی اسرائیل سے کتاب میں صاف کہہ دیا تھا کہ تم ضرور ملک میں دو دفعہ فساد کرو گے اور بڑی زیادتیاں بھی کرو گے، تو جب ان میں پہلے فساد کا وقت آیا۔ تو ہم نے تمہارے مقابلہ میں اپنے ایسے بندے اُٹھا کھڑے کئے جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے، اور خدا کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔"

ان لوگوں نے بابل میں دیکھا کہ وہاں کے رہنے والے دو فرشتہ خصلت بزرگوں ہاروت و ماروت کو بہت زیادہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (بعض مفسرین نے لفظ "ملک"

کی موجودگی سے اُن کو حقیقی فرشتہ قرار دیا ہے۔

قرآن کریم نے حضرت یوسفؑ کی نسبت کہا ان ھٰذا الا ملک کریم (۳۱:۱۲) ایسے ہی یہاں بھی ان کو ملک کہا گیا۔ انھیں اپنی عزتِ رفتہ یاد آ گئی، اور اِس کوشش میں لگ گئے کہ کس طرح اِس گزشتہ عروج کو حاصل کریں۔ ہاروت و ماروت نے اذکار و اَوراد اور اسمائے حُسنیٰ کے ذریعہ سے اپنی بزرگی اور تقدس کو قائم کیا تھا۔ بنی اسرائیل کاہل تو پہلے ہی سے تھے، مُفت کی روٹیاں کھا کر کام کرنے کی قوت سلب کر چکے تھے، اور چاہتے یہ تھے کہ بغیر کام کئے لوگ اُن کی تعریف و توصیف کریں ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا، فوراً ان کی جانب متوجہ ہو گئے اور درخواست کی کہ انھیں بھی ان اشغال و وظائف کی تعلیم دی جائے۔

دونوں بزرگوں کا یہ دستور تھا کہ تعلیم دینے سے قبل لوگوں سے عہد لے کر سمجھا دیا کرتے تھے کہ ان دعاؤں کو ناجائز اور غیر مشروع مواقع پر استعمال نہ کرنا۔ ہمارا وجود اور ہماری تعلیم تم لوگوں کے لئے ایک قسم کی امتحان گاہ ہے۔ اس سے تمہارے ایمان و اسلام کی حقیقت کُھل جائے گی، اِس قسم کی باتیں کر کے دونوں بزرگ اپنے دامن کو آلودۂ عصیاں ہونے سے بچا لیتے، اِس کے بعد اُن کی تعلیم شروع ہوتی۔ یہودی اب دو چیزوں کے مالک تھے، ایک وہ علوم جو کتاب مقدس میں موجود تھے، جن کی تبلیغ و دعوت کے لئے انھیں مامور کیا گیا تھا۔ دوسرے وہ شیطانی باتیں جو انھوں نے بابل میں رہ کر حاصل کیں۔ مفسرین نے فیتعلمون منھما میں منھما کی ضمیر کو ہاروت و ماروت کی طرف راجع کیا ہے۔ لیکن ابن کثیرؒ نے یہی معنی اختیار کئے ہیں جن کو ہم نے اوپر درج کیا ہے، اور ان تمام روایات کو غلط ثابت کیا ہے، جن سے ہاروت و ماروت کی طرف ارجاع ضمیر معلوم ہوتا ہے۔

باوجود اس قدر تنبیہ و تادیب کے یہودی اُن کی نصیحت پر عمل نہ کرتے اور ان وظائف و اَوراد کو ایسی جگہ استعمال میں لاتے جہاں شر و فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ خاوند اور بیوی میں ناچاقی پیدا ہو، اور ایک آباد و بارونق گھر کھنڈرات کا ڈھیر دکھائی دے۔ اِن بدبختوں کو اتنی تمیز نہ تھی کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے، اُن کی کوششوں کو کسی کے نفع و نقصان میں کیا دخل، اور جو کچھ اُن کے پاس اَوراد و اذکار تھے وہ ان کے لئے یکسر نقصان و زیاں کا باعث تھے انھیں ذرّہ برابر بھی فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا، کیونکہ جب یہ لوگ دیکھتے تھے کہ چاروں طرف سے روپیہ بکثرت آرہا ہے، لوگ ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر جگہ اُن کی آؤ بھگت ہوتی ہے، اپنے نفس کی اصلاح اور اخلاق کی تہذیب کو بھول جاتے تھے۔ حالانکہ اصل چیز اعمال و اخلاق کی درستی ہے۔ مرنے کے بعد صرف قلب سلیم اور فطرۃ صالحہ ہی سے فائدہ ہو سکتا ہے، دولت کسی کام نہیں آتی، کاش تعلیم صحیح اور عملِ صالح اختیار کرتے، تو دنیا میں بھی سرفراز رہتے، اور آخرت میں بھی عزت کی زندگی بسر کرتے۔[1]

علیحدگی کا حکم

انصار مدینہ کے رہنے والے تھے اور زراعت پیشہ ہونے کی بنا پر یہودیوں کے ساتھ ان کے تعلقات تھے، یہودیوں نے اطرافِ شہر میں اپنے مدرسے قائم کر رکھے تھے۔ جن کو بیت المدارس کہتے تھے اور جن میں انصار کی اولاد تعلیم حاصل کیا کرتی تھی، اِس لئے صحبت و ہمنشینی کی بنا پر ان میں کچھ نہ کچھ عادتیں یہودیوں کی آ گئی تھیں، رسول اللہ صلعم ایک جدید امت پیدا کرنا چاہتے تھے جو تمام جغرافیائی

۱؎ صفحہ ۸ پر ملاحظہ فرمائیے۔

حدود اور قومی پابندیوں سے آزاد ہو اور وہ شہداء علی الناس کے مرتبۂ کبریٰ پر فائز ہو۔ ضرورت تھی کہ انصار کو ان سے الگ کر دیا جائے مگر مدت ہائے دراز کے تعلقات کو یک قلم توڑ دینا ایک حکیمِ اجتماعی کی نظر میں ناموزوں تھا، اس لئے ان اوراق میں تفصیل کے ساتھ اُن کی غلط کاریوں کو بیان کیا، ان کے علمی و عملی نقائص کو واضح کیا، اور ان کی انفرادی و اجتماعی خرابیوں پر روشنی ڈالی تاکہ مسلمانوں کو یقین ہو جائے کہ بنی اسرائیل میں حکومت کرنے، مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے اور ان میں عمدہ رعایا بننے کی مطلق قابلیت نہیں ہے۔ فرزندانِ اسلام کسی پر بھروسہ نہ کریں، بلکہ خود اپنے اندر کام کرنے کی قوت پیدا کریں۔ یہودیوں کی طرف سے اُن کے دلوں میں عام نفرت و حقارت پیدا ہو، اور اس طرح ایک جدید قومیت صالح کی بنیاد پڑ جائے، چنانچہ اب وقت آگیا کہ مسلمانوں کو ان سے دائمی طور پر الگ رہنے کا حکم دیا جائے۔ فرمایا:

(۱۰۴) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

"اے ایمان والو! تم راعنا مت کہو بلکہ انظرنا کہو، اور سنتے رہو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

جس وقت رسول اللہ صلعم وعظ و تذکیر میں مصروف ہوتے اور مسلمانوں کو آپ کی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی، تو عرض کرتے کہ مزید توضیح فرما دیجئے اور ایسے موقع پر "راعنا" کا لفظ استعمال کرتے، یہ مراعات سے ہے، یعنی "ارعنا سمعك وفرغه لكلامنا" ہماری بات سن لیجئے۔ مگر یہودیوں کے نزدیک یہ سب و شتم کے موقعہ پر بولا جاتا تھا۔ اور اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ "اسمع لا سمعت" خدا تمھیں سننے کا موقعہ ہی نہ دے، بعض کہتے ہیں کہ لفظ رعونۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی احمق اور بیوقوف کے ہیں، مسلمان اپنی سادگی کی بنا پر اس کو استعمال کرتے تھے، مگر اس سے یہودیوں کو اُن کی تضحیک و تحمیق کا مشغلہ ہاتھ آجاتا تھا اور کہتے کہ ہم تو اس رسول کے ساتھ استہزا خفیہ خفیہ کیا کرتے تھے۔ لیکن مسلمان تو علی الاعلان کرتے ہیں چنانچہ حسب ذیل روایت اس پر مزید روشنی ڈالتی ہے:

فلما سمعت اليهود هذه الكلمة من المسلمين قالوا فيما بينهم كنا نسب محمدا اسرا فاعلنوا به الآن وكانوا ياتونه ويقولون راعنا يا محمد ويضحكون فيما بينهم فسمعها سعد بن معاذ رضي الله عنه ففطن لها وكان يعرف لغتهم فقال لليهود لئن سمعتها من احد منكم يقولها لرسول الله صلى الله عليه وسلم لاضربن عنقه فقالوا اولستم تقولونها فانزل الله تعالى هذه الآية

"جب یہودیوں نے مسلمانوں کو یہی کلمہ کہتے سنا تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا، ہم تو محمدؐ کو گالی دیتے تھے، مگر وہ تو علانیہ کہتے ہیں، اِس کے بعد وہ آتے اور کہتے، راعنا یا محمد، اور آپس میں

(باقی بر صفحہ ۱۲)

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۷) یہی حال آج علمائے سو کا ہے۔ کتاب و سنت تو دراز ظہور ہم ہے، جن سے ان کی عزت برقرار رہتی ہے، اب تعویذ، ول اور گنڈوں پر زور ہے، یہی ان کی آمدنی کے ذرائع ہیں اور انھیں سے اپنی منزلت لوگوں کے دلوں میں قائم کئے ہوئے ہیں۔ بعض اربابِ احسان و تصوف نے تو تمام قرآن ہی تعویذات کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ پھر جن مولویوں اور صوفیوں کا ذریعۂ معاش صرف تعویذات رہ گئے ہوں، وہ اللہ کے نام پر کہاں اپنے آپ کو قربان کر سکتے ہیں وہ تو کاہلی اور سستی کے دنیا میں زندہ نمونے ہیں، کاش وہ اِس فریب خوردہ زندگی کو ترک کرکے تبلیغ و دعوتِ قرآن کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیں۔ ۱۲

قصص القرآن

یوسف علیہ السلام

(۴)

(محمد احمد)

یوسفؑ بادشاہ کے حضور میں

برارت کی حجت رفع ہونے کے بعد حضرت یوسفؑ بادشاہ کے سامنے پہنچے اور دونوں میں حسب موقع بات چیت ہوئی، جس کے دوران میں بادشاہ نے اچھی طرح محسوس کرلیا کہ یوسف بڑے ہوشمند اور پختہ کار و دانشمند ہیں اور ان کی نسبت جو کچھ بیان کیا گیا ہے حقیقت کے مطابق ہے۔

بادشاہ کی طرف سے اختیارات

یہ رائے قائم کرکے بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے کہا:

"اے یوسف! تم شریفانہ اخلاق سے آراستہ ہو، نیک نام ہو۔ تمہارا ماضی درخشاں رہا ہے، پسندیدہ حلم اور پختہ عقل سے متصف ہو، تمہاری ان تمام صفات نے میری نظر میں تمہاری قدر و منزلت بڑھادی ہے۔ آج سے میں تمہیں اِس حکومت کا معتمد اور امین بناتا ہوں۔ اس کی بھلائی اور بہتری کے لئے کام کرتے رہنا، تم اس سلسلے میں جو کچھ کرنا چاہو تمہیں اُس کا اختیار دیا جاتا ہے۔"

مگر یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ قوم مصر کشائش اور تنگی دونوں حالتوں سے دوچار ہونے والی ہے، دریائے نیل میں عنقریب طغیانی آئے گی، کئی سال خوش حالی کا دور دورہ ہوگا اس کے بعد یہ فیضان رُک جائے گا، نیل کی طغیانی اور اس کی فیض رسانی کا معمول کئی برس تک موقوف رہے گا۔ ایسی حالت میں جو شخص اُن کے معاملات کا ذمہ دار اور حاکم ہو، اس کے ہاتھ میں مال دولت کا اختیار اور خزانوں کی کنجیوں پر قبضہ ہونا، بہت ضروری ہے۔ کیونکہ مال ہی پر قوم کی ضروریات منحصر ہیں، وہی قوم کا لبِّ لباب اور ماحصل ہے۔ اِس لئے حضرت یوسفؑ نے چاہا کہ جس چیز کی مدد سے قوم کو بھلائی اور رفاہیت کی منزل تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس پر قابو حاصل کرلیں۔ یہ سوچ کر انھوں نے بادشاہ سے کہا:

"اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اِس قوم کا ذمہ دار بنوں، اور اس کے معاملات و انتظامات کا جوابدہ قرار پاؤں، تو مجھے اس کے خزانوں کا امین اور مختار بنا دیجئے، اگر اللہ نے چاہا تو اعمال کی اصلاح اور احوال کی درستی کی نسبت قوم نے مجھ سے جو امیدیں باندھ رکھی ہیں، پوری ہوں گی اور میں مشکل اور آسانی اور راحت و تکلیف میں ان کا شریک رہوں گا۔"

حضرت یوسفؑ کی حکمرانی

خدا کی شان دیکھئے، وہی حضرت یوسفؑ جو کل تک یوسفِ زندانی تھے۔ بلکہ اس سے پہلے غلام تک بن چکے تھے اور بازار کی جنس کی طرح ان کی خرید و فروخت کی جاتی تھی، آج خدا کے فضل و کرم سے حکمراں بنے ہوئے تھے، رات دن ایک مطلق العنان

اور با اختیار وزیر کی طرح حکومت کا کام کرتے، جو حکم نافذ کرتے، اُس کی فوراً تعمیل کی جاتی۔ تمام قلمرو میں اُن کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اُن کا محل فیض وکرم کا سرچشمہ اور مہمانوں کا ملجا و ماوا بنا ہوا تھا بڑی نیک نامی اور شان و شوکت کے ساتھ حکومت کر رہے تھے یہ محض اللہ کا فضل تھا۔ وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔ اُس کا انعام اور فیضان بہت بڑا ہے، جس کی کوئی حد نہیں۔

خوش حالی و سرسبزی کے سات سال

حضرت یوسف ؑ کو مصر کی حکومت انہی سات برسوں کے دوران میں ملی تھی، جو سرسبزی کے سال تھے۔ اس زمانہ میں دریائے نیل نے بڑا فیض پہنچایا، زمین سے غلّہ خوب پیدا ہوا، لوگ بڑے آرام سے بسر کرنے لگے اور اُن کے مال و دولت میں بڑی برکت ہوئی، چونکہ یوسف ؑ بڑے بیدار مغز، ہوشمند اور نہایت اچھے حاکم تھے اِس لئے انھوں نے ابھی سے آئندہ سات برسوں کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں بڑے اہتمام سے شروع کر دیں، بڑے بڑے کھلیان اور غلّہ محفوظ رکھنے کے کوٹھے تیار کرائے اور انھیں بکثرت غلّہ سے بھر دیا۔ ہر قسم کی زمینی پیداوار نہایت سلیقے سے محفوظ کرا دی یہاں تک کہ جب وہ سختی اور قحط سالی والے سات برس آئے تو قوم نے بڑی عافیت و اطمینان کے ساتھ ان کا سامنا کیا۔ اِس نازک دَور کی وجہ سے اُن کے حالات میں کوئی ناگوار تغیر نہیں ہوا، نہ انھیں کسی خاص تکلیف سے سابقہ پڑا۔

قحط مصر کے آس پاس شہروں تک جا پہنچا اور ان کے اطراف واکناف کے علاقے اِس سے متاثر ہوئے، یہاں تک کہ کنعان بھی اُس کی لپیٹ میں آگیا۔ جہاں اللہ کے نبی حضرت یعقوب ؑ اور اُن کے بیٹے پوتے وغیرہ مقیم تھے۔

حضرت یوسف ؑ کی نیک نامی

یوسف ؑ کی شہرت مصر ہی میں نہیں بلکہ تمام قلمرو میں پھیل گئی لوگوں میں یہ بات بہت مشہور ہوئی کہ مصر میں ایک دانشمند وزیر ایسا ہے جس کے پہلو میں بڑا شریف دل ہے، اس نے بھوک، قحط اور خشک سالی سے نمٹنے کے لئے نہایت معقول تیاری کی ہے۔ وہ بڑے عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں کو اناج تقسیم کرتا ہے اور مساوات کا خیال رکھ کر انھیں اُن کی ضرورت کی چیزیں دیتا ہے اِس معاملہ میں قوم اور بستی کی پاسداری یا تعصب سے کام نہیں لیتا

حضرت یعقوب ؑ کی بیٹوں کو ہدایت

حضرت یعقوب ؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا:

”اے بیٹو! قحط نے ہمیں آ گھیرا ہے، وہ وقت قریب ہے کہ ہم اس کی زد میں آ جائیں۔ اِس لئے اپنی سواریاں جلد کسو اور اپنی اونٹنیوں کو کام میں لاکر اس عزیز مصر کی طرف روانہ ہو جاؤ جس کی خبریں آنے جانے والوں اور مسافروں کے ذریعہ ہمارے کانوں میں پہنچتی رہتی ہیں، جس کا نام دشت و جبل، شہر و دیہات سب جگہ مشہور ہو رہا ہے۔ مگر اپنے بھائی بنیامین کو میرے پاس چھوڑ جاؤ تاکہ میں تم لوگوں کی جُدائی میں اس سے اپنا غم غلط کروں، اور جب تک تم سب جمع نہ ہو اُس سے دل بہلاتا رہوں۔ اللہ تمھارا حافظ نگہبان اور ہادی و رہنما ہے۔“

برادرانِ یوسف ؑ قصرِ یوسفی پر

حاجب نے یوسف ؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ دس آدمی درِ دولت پر حاضر ہیں، جن کے خد و خال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، چہروں پر صلاحیت کا نور چمک رہا ہے، اب

معلوم ہوتا ہے کہ پردیسی ہیں یا اس علاقہ میں مہمان بن کر آئے ہیں مجھے اس کا اندازہ ان کی زبان اور لب ولہجہ سے اور حیرت و تردّد سے ہوا ہے۔ یہ لوگ آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہتے ہیں، اور باریابی کے متمنی ہیں۔

یوسف ؑ نے حاجب کو حکم دیا کہ انھیں لے آئے، جب وہ لوگ سامنے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سب اُن کے بھائی ہیں۔ عمر اور سن وسال نے اُن کے خدوخال میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا تھا وہی چہرہ مہرہ اور انداز و اطوار تھے۔ یہ وہی بھائی تھے جنھوں نے یوسف ؑ کے قتل کی سازباز کی تھی، اور یوسف ؑ اور اُن کے باپ کے درمیان جدائی ڈلوادی تھی۔ اس کے بعد باپ کو یوسف ؑ کے غم میں مبتلا کر کے، ان کے دل وجگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے، آج وہی بھائی اُن سے ملنے کے لئے ان کے حضور میں موجود تھے حالانکہ حضرت یوسف ؑ نے پہلے اس کی کوئی تدبیر نہیں کی تھی، بلکہ یہ صورت صرف لطیف وخبیر خدا کے حکم سے واقع ہوئی تھی ؎

وَقَدْ یَجْمَعُ اللّٰہُ الشتیتین بعد ما
یظنان کل الظن ان لا تلاقیا!

(کبھی ملاتا ہے ایسے بھی دو دلوں کو خدا ٭ جنھیں یقین ہو بچھڑ کر کبھی نہ ملنے کا)

یوسف ؑ نے تو اُن کو پہچان لیا، مگر انھوں نے یوسف ؑ کو نہ پہچانا، انھیں اس یوسف کا حال کہاں معلوم تھا، جسے وہ کنوئیں میں چھوڑ آئے تھے، انھیں اِس کا کوئی علم نہ تھا کہ آیا وہ مر گیا، اُسے کوئی درندہ کھا گیا، یا پھر غلاموں کے بازار میں بیچ دیا گیا؟ اور اِس کا تو گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ مقتدر و با اختیار اور خدم و حشم والا تاجدار شخص ہی یوسف ہوگا۔

حضرت یوسف ؑ کی احتیاط

یوسف ؑ بڑے حکیم و دانا اور ذہین و دانشمند شخص تھے خدا نے انھیں حوصلہ مند و بردبار اور صائب الرائے بنایا تھا انھوں نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے میں پہل نہ کی، بلکہ یہ چاہا کہ جو باتیں اُن کے دل کی گہرائیوں میں چھپی ہیں انھیں معلوم کریں اور اُن کے دلی خیالات اور نیت کا پتہ لگائیں۔ اسی طرح وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ باتوں باتوں میں دانائی و ہوشیاری کے ساتھ ان کے پوشیدہ حالات معلوم کر لیں۔

بھائیوں سے انجان بن کر تخاطب

حضرت یوسف ؑ نے انھیں بڑے اعزاز کے ساتھ مہمان رکھا، خوب خاطر مدارات کی اور پھر ایک دن اپنے حضور میں بُلا کر اُن سے کہا:

"میں نے تم لوگوں کو مہمان رکھا ہے تو مجھے حق ہے کہ تم سے تمھارے حالات بھی دریافت کروں۔ تم کون ہو؟ تمھارا کیا کام ہے؟ مجھے تمھاری تعداد دیکھ کر تعجب ہوا، اور شروع شروع میں یہ شُبہ ہوا کہ کہیں تم لوگ اپنے بادشاہ کی طرف سے ہماری جاسوسی کرنے نہ آئے ہو؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھ سے اپنے حالات کی حقیقت بیان کرے تاکہ اِس قسم کے جو شبہات پیدا ہو سکتے ہیں انھیں دور کر دے"

بھائیوں کا جواب

ان لوگوں نے کہا: "اے عزیز! ہم بارہ بھائی ہیں، ایک بزرگ اور محترم نبی و رسول کی اولاد ہیں، ان میں سے دس تو اس نبی کے بھیجے ہوئے ہم ہی ہیں جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں اور اپنی تمنا میں آپ تک پہنچ چکے ہیں۔ گیارھویں بھائی کو ہم اپنے باپ کے پاس چھوڑ آئے ہیں تاکہ وہ ان کی خدمت کرے اور وقت بے وقت کام آئے،

رہا بارھواں بھائی تو اُسے ہم کھو چکے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ آیا اللہ نے اُسے اپنے پاس بلا لیا ہے، یا وہ زمین کے کسی نرم یا سخت علاقہ میں اِدھر اُدھر گھوم پھر رہا ہے۔ ہمارا سارا ظاہر و باطن حال بس اتنا ہی ہے۔“

یوسفؑ کی ثبوت طلبی

یہ سُنکر حضرت یوسفؑ نے کہا: ”تم لوگ جو کچھ کہتے ہو ٹھیک ہے، لیکن جب بات کی کوئی دلیل یا شہادت موجود نہ ہو، اُس کا کیا وزن؟ اِس لئے یا تو میرے پاس اِس کے سچ ہونے کا ثبوت پیش کرو یا کوئی گواہ لاؤ تاکہ میں تمھارے حالات کی حقیقت سے مطمئن ہو سکوں اور تمھاری بات کے صحیح ہونے کا یقین کروں۔“

انھوں نے جواب دیا: ”اے عزیز! ہم یہاں اپنے دیس سے دُور ہیں، جہاں ہمارا نہ کوئی دوست ہے نہ گھر والا عزیز و رشتہ دار ہے، ایسے حالات میں آپ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم اپنے کسی جان پہچان والے کو آپ کے سامنے پیش کریں، جو ہماری باتوں کے درست ہونے کی گواہی دے۔ بہتر ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہمارے لئے اختیار کیجئے جس سے ہماری مشکل آسان ہو۔“

حضرت یوسفؑ کی شرط

حضرت یوسفؑ نے کہا: میں تمھارا انتظام کئے دیتا ہوں، تمھاری سواریوں پر غلّہ لدوائے دیتا ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ اب میرے پاس واپس آؤ تو اپنے ساتھ اپنے اس بھائی کو بھی لیتے آنا جسے اپنے والد صاحب کے پاس چھوڑ آئے ہو تاکہ وہ تمھارا گواہ بنے اور تمھاری باتوں کی تصدیق کرے۔ میں اِس سلسلہ میں تمھاری خاطر داری دوگنی کر دوں گا اور تمھارے غلّے کے لئے ایک اونٹ اناج سے لدا ہوا زیادہ کر دوں گا، یہ ہے میری شرط اور میرا وعدہ۔ اگر تم اُسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو میرے یہاں سے نہ غلّہ ملے گا، او[ر] نہ تم کو میرا تقرب حاصل ہوگا۔“

اُنھوں نے جواب دیا: ”اے عزیز! ہمیں امید نہیں ہ[ے] ہمارے والد اُس بھائی کو سفر پر لیجانے کی اجازت دیں گے، یا اس کی جُدائی پر صبر کر سکیں گے، پھر بھی ہم انھیں اس بات کی رغبت دلائیں گے اور ان سے نرمی اور محبت کے ساتھ گفتگو کر[یں] گے، تاکہ وہ اجازت دیدیں۔“

بھائیوں کی مصر سے روانگی

عزیز مصر (یوسفؑ) نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان ک[ے] لئے غلّہ پوری ناپ سے تول دیں اور ان کے کجاووں میں وہ سا[مان] جسے وہ لاد کر لے جانا چاہتے تھے اور جتنی چاندی وہ سامان خر[یدنے] کی غرض سے لائے تھے چھپا دیں، تاکہ اس طرح ان کے دل میں عزیز کی محبت اور عقیدت بڑھ جائے اور وہ یہ سمجھیں کہ اُن کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی گئی ہے اور ان کی ضرورتوں کا خیا[ل] رکھ کر ان پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ جب گھر پہنچ کر وہ دیکھیں گے کہ ان کا سامان روکا نہیں گیا ہے تو ان کے دل میں دوبارہ مصر آ[نے] اور بھائی کو ساتھ لانے کا ارادہ مضبوط ہو جائے گا۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی عزیز (یوسفؑ) سے رخصت ہو کر [اپنے] وطن کی جانب چلے تو اُن کے دل حضرت یوسفؑ کے حُسنِ سلوک اور پاکیزہ اخلاق کی یاد سے معمور تھے۔ حضرت یعقوبؑ سے م[لے] تو اُنھوں نے بیٹوں سے عزیز مصر کے حالات اور مصر کی سرگذشت وغیرہ پوری تفصیل کے ساتھ معلوم کرنا شروع کی۔

باپ کے حضور میں واقعات سفر کی تشریح و تفصیل

بیٹوں نے جواب میں سارے واقعات بیان کرتے ہوئے

کہا ابا جان ہماری ملاقات ایک بڑے عالی مرتبہ اور شریف طبیعت وزیر سے ہوئی، جس نے ہمارے شرف وفضل کا اعتراف کیا، خوب مہمانداری اور مدارات کی، ہمارے لئے غلہ تلوایا، بہت اچھی جگہ ٹھہرایا مگر ان سب باتوں کے ساتھ اس نے ہم سے ایک عہد بھی لیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جب تک ہم اپنے بھائی کو لاکر اپنے حالات کی تصدیق نہ کرائیں گے، آئندہ وہ ہمیں غلہ نہ دے گا۔ کیونکہ اسے ہمارے معاملے میں شک ہوگیا ہے اور ہمارے سفر نے اُسے بدگمانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ کل ہمارا سامانِ خوراک ختم ہوجائے تو ہم کو اور غلہ درکار ہوگا اس لئے آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، تاکہ وہ غلہ دلوانے اور عزیز سے عطیہ حاصل کرنے میں ہمارا مددگار بنے۔"

حضرت یعقوبؑ کا جواب

حضرت یعقوبؑ نے جواب دیا: "میں اُسے سفر پر لے جانے کی ہرگز اجازت نہ دوں گا، اس کی جدائی میں مجھے بالکل آرام نہ ملے گا۔ اس کے علاوہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس لڑکے کی نسبت بھی تم پر اسی طرح اعتبار کرلوں گا، جس طرح اس کے بھائی یوسفؑ کی نسبت کرلیا تھا، جاؤ مجھ سے یہ چال نہ چلو اور مجھے اپنے شر سے معاف رکھو۔"

اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے سامان کو کھولا اور کجاووں کی دیکھ بھال کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا تمام سامان واپس کر دیا گیا ہے اور وہ جتنی چاندی مصر لے گئے تھے، پھر ان کے ساتھ لوٹ آئی ہے! یہ دیکھ کر وہ دوڑتے ہوئے، باپ کے پاس پہنچے اور خوش خوش ان سے بیان کیا کہ: "ابا جان ہم نے عزیز کی سخاوت اور مروّت کی نسبت جو رائے قائم کی تھی، غلط نہ تھی، ہم نے آپ سے اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے جانے کی جو اجازت مانگی تھی، اُس میں آپ سے کوئی فریب نہیں کیا، یہ دیکھئے ہمارا سامان ہمیں لوٹا دیا گیا ہے اور یہ بات عزیز کے کرم و مروّت کی دلیل ہے۔ اس لئے آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم جلد سے جلد عزیز کے پاس جا پہنچیں۔"

حضرت یعقوبؑ کا سوچ بچار

حضرت یعقوبؑ نے سوچا کہ ان لوگوں کو غلے کی سخت ضرورت ہے وہ سفر کی رغبت بہت شدت کے ساتھ ظاہر کر رہے ہیں اور اس مرتبہ جو مضبوط وعدہ وہ کر رہے ہیں اُسے ہرگز نہ توڑیں گے پھر عزیز نے ان کی واپسی کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ اپنے ساتھ بھائی کو ضرور لائیں، اس لئے وہ اس کے خلاف نہ کریں گے، ان باتوں کو سوچ کر انھوں نے بیٹوں سے کہا، اگر تم اس بات کا بہت سخت عہد کرو کہ اسے صحیح وسلامت لے آؤ گے تو بنیامین کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ ہاں اگر قضا و قدر کی طرف سے کوئی غیر متوقع بات پیش آجائے یا کوئی ناگہانی حادثہ گھیر لے تو دوسری بات ہے۔ اس کے سوا ہر حال میں تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔ بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل میں سخت سخت قسمیں کھائیں اور نہایت پختہ عہد و پیمان کرکے خدا کو درمیان کیا اور کہا "ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر خدا ہمارا ضامن ہے۔"

مصر کی جانب دوبارہ کوچ

باپ کو رضامند پاکر انھوں نے بنیامین کو ساتھ لیا اور راستے کے نشیب وفراز طے کرتے ہوئے حضرت یوسف کے یہاں پہنچے

یوسفؑ اور بنیامین

یوسفؑ نے ان لوگوں کے ساتھ بنیامین کو دیکھا تو محبت نے

جوش مارا، دل بھر آیا مگر انھوں نے اپنے جذبات پر قابو پالیا اور دل کی بات دل ہی میں رکھی۔ اِس کے بعد ان سب کو کھانے پر بلایا اور انھیں دو دو کی تعداد میں بٹھایا۔ اِس طرح بنیامین اکیلے رہ گئے اور اپنے آپ کو تنہا پاکر رو دیئے اور کہا:

"اگر میرا بھائی یوسف زندہ ہوتا تو وہ ضرور میرے ساتھ کھانے پر بیٹھتا"۔ یہ سُنکر یوسفؑ نے انھیں دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھایا پھر ان لوگوں سے کہا "تم میں سے دو دو آدمی ایک ایک گھر میں قیام کریں، اور چونکہ اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے اِس لئے یہ میرے ساتھ رہے گا"۔

اِس طریقے سے بنیامین رات کو حضرت یوسفؑ کے پاس ہی رہے۔ حضرت یوسف علیہ نے بات چیت کے دوران میں اُن سے کہا: "کیا تم اسے پسند کروگے کہ تمھارے مرحوم بھائی کی جگہ میں تمھارا بھائی بن جاؤں؟" اُنھوں نے کہا "آپ جیسا بھائی کس کو ملے گا؟ مگر نہ یعقوبؑ آپ کے باپ ہیں، نہ راحیل آپ کی ماں، اِس کا کیا ہوگا؟"

یوسفؑ اِس جواب سے رو دیئے، اُٹھے اور بنیامین کو گلے لگایا اور اُن سے کہا "میں ہی تمھارا وہ بھائی ہوں، جس کا تم دم بھرتے ہو اور جس کو دیکھنے کے لئے اتنے بے قرار ہو، زمانہ کی گردش اور اُس کے حوادث نے مجھے نشانہ بنالیا اور تمھارے بھائیوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھانی پڑیں، اُن کی بے وفائی نے قسم قسم کے غموں اور صدموں میں مبتلا کیا، پھر اُن کے چھوڑ جانے کے بعد جو جو مصیبتیں پڑیں اُن پر صبر کیا، یہاں تک کہ اللہ نے میری تباہ حالی کو نعمت و راحت سے، فقر و تنگدستی کو دولت سے اور ذلت کو عزت سے بدل دیا۔ مگر ابھی تم اس خبر کو اپنے بھائیوں سے پوشیدہ رکھو، یہ راز اُن پر کھلنے نہ پائے!"

اب بنیامین کے دل کو چین ملا، سارا صدمہ اور غم دُور ہوگیا کھویا ہوا قرار پھر ہاتھ آیا، بھائی کے ساتھ عیش و آرام سے زندگی گزارنے اور ان کی محبت و شفقت کا لطف اُٹھانے لگے۔

بنیامین کو روکنے کی چال

ضیافت کے دن گزر گئے اور قافلے نے کوچ کی تیاری کی، حضرت یوسفؑ نے چاہا ان لوگوں کے ساتھ چال کی جائے اور کوئی نئی بات پیدا کر دی جائے، اِس لئے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کا سامان درست کر دیں۔ اور اِس موقع پر غلہ کا پیمانہ بنیامین کے کجاوے میں چھپادیں۔

منادی کا الزام

عین ایسے وقت جب کہ اس قافلے کے لوگ کوچ کا نقارہ بجانے والے تھے، شاہی منادی نے پکار کر کہا "اے عازمِ سفر اہلِ قافلہ! اپنے اونٹوں کو بٹھادو اور سامان اُتارلو! تم چور ہو!"

برادرانِ یوسفؑ کی گھبراہٹ

حضرت یوسفؑ کے بھائی یہ سُن کر حیران رہ گئے اور منادی کے پاس پہنچکر اُس سے کہا "تم یہ کیسی بَڑ ہانک رہے ہو، یہ کیا تہمت لگا رہے ہو، تمھارا مطلب کیا ہے، اور تمھاری کونسی چیز کھوگئی ہے"

منادی نے جواب دیا "ہم بادشاہ کا پیمانہ کھو بیٹھے ہیں اور ہمیں یہ شبہ ہے کہ تم لوگوں نے اُسے چُراکر چھپالیا ہے اِس لئے تم نے جو ارادہ کیا ہے اس سے باز آجاؤ۔ اِس معاملے میں تمھیں کسی خوف کی ضرورت نہیں، اگر تم میں سے کسی نے یہ پیمانہ لیا ہو اور وہ لاکر دے دے تو اسے ایک بار شتر غلہ انعام کے طور پر اور دیا جائے اِس شرط کو پورا کرنے کی ذمہ داری مجھ پر رہے گی" (باقی برصفحہ

جواہرِ حدیث

(ادارہ)

مہلک خصلتیں

عَشْرُ خِصَالٍ عَمِلَهَا قَوْمُ لُوطٍ بِهَا أُهْلِكُوا وَتَزِيدُهَا أُمَّتِي بِخَلَّةٍ: إِتْيَانُ الرِّجَالِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، وَرَمْيُهُمْ بِالْجُلَاهِقِ وَالْخَذْفِ، وَلَعِبُهُمْ بِالْحَمَامِ، وَضَرْبُ الدُّفُوفِ، وَشُرْبُ الْخُمُورِ، وَقَصُّ اللِّحْيَةِ، وَطُولُ الشَّارِبِ، وَالصَّفِيرُ، وَالتَّصْفِيقُ، وَلِبَاسُ الْحَرِيرِ، وَتَزِيدُهَا أُمَّتِي بِخَلَّةٍ: إِتْيَانُ النِّسَاءِ بَعْضِهِنَّ بَعْضًا۔

(ابن عساکر)

(۱) دس چیزیں ایسی ہیں، جن پر عمل کرنے کی وجہ سے قوم لوط ہلاک ہوگئی اور میری امت ان سب پر بھی عمل کرے گی، بلکہ ان میں ایک خصلت کا مزید اضافہ کرے گی اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ لواطت میں مبتلا ہونا۔ ۲۔ کھیل کود اور تفریح کے طور پر بندوق اور گوپھن سے تیر چلانا اور کنکر پھینکنا۔ ۳۔ بوت کی بازی لگا کر کھیلنا۔ ۴۔ دف بجانا۔ ۵۔ شراب نوشی کرنا۔ ۶۔ ڈاڑھی کتروانا۔ ۷۔ مونچھیں لمبی کرنا۔ ۸۔ ہونٹوں سے سیٹی کی آواز نکالنا۔ ۹۔ تالیاں بجانا۔ ۱۰۔ مردوں کا ریشمی لباس استعمال کرنا۔ اور گیارھویں جو امت زیادہ کرے گی وہ عورتوں کا عورتوں کے ساتھ لطف اندوزی کرنا ہے۔

معاملات میں نرمی

عَلَيْكَ بِأَوَّلِ السَّوْمِ، فَإِنَّ الرِّبْحَ مَعَ السَّمَاحِ

(ابو داؤد)

(۲) اپنے مال کو خود فروخت کے لئے پیش کرو اور قیمت بتاؤ۔ اس لئے کہ معاملات میں نرمی برتنا ہی نفع پہنچاتا ہے۔

عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ وَطُولِ الصَّمْتِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا تَجَمَّلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا۔ (مسند ابو یعلیٰ)

(۳) ہر شخص سے حسنِ اخلاق اور درگزر سے پیش آؤ، اس لئے کہ خدا کی قسم ان دونوں خصلتوں سے اچھی کوئی خصلت نہیں ہے۔

عَلَيْكَ بِالرِّفْقِ إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ۔

(صحیح مسلم)

(۴) نرمی اور حسنِ اخلاق سے پیش آؤ! اس لئے کہ نرم کلامی سے کلام مزین ہو جاتا ہے۔ اور گفتگو میں نرمی نہ ہونے سے گفتگو کی شان جاتی رہتی ہے۔ (اور گفتگو ایسی رہ جاتی ہے، جیسے کوئی بغیر بنیاد کی عمارت)۔

سنت کی مطابقت

عَمَلٌ قَلِيلٌ فِي سُنَّةٍ، خَيْرٌ مِنْ عَمَلٍ كَثِيرٍ فِي بِدْعَةٍ

(مسند فردوس للدیلمی)

(۵) سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل کرنا، بدعت میں مبتلا ہو کر بہت سے عمل سے بہتر ہے۔

غیبت کے معنی

اَلْغِيبَةُ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ۔

(ابو داؤد)

(۶) تیرا اپنے بھائی کے متعلق ایسا ذکر کرنا جو اس کے لئے باعث کراہیت ہو، یہی غیبت ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۴۰ ''حیاتِ ابن کثیر'')

۱۵۔ کتابُ المقدمات

اِس کا ذکر مصنف نے ''اختصار علوم الحدیث'' میں کیا ہے۔

۱۶۔ مختصر کتابُ المدخل للبیہقی

اس کا ذکر بھی ''اختصار علوم الحدیث'' کے مقدمہ میں کیا ہے۔

۱۷۔ الاجتہاد فی طلب الجہاد۔

جب فرنگیوں نے قلعۂ ایاس کا محاصرہ کیا ہے، اُس وقت آپ نے یہ رسالہ امیر منجک کے لئے لکھا ہے۔ یہ رسالہ مصر سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ رسالۃ فی فضائل القرآن

یہ رسالہ بھی تفسیر ابن کثیر کے ساتھ مطبع المنار مصر میں طبع ہو چکا ہے۔

۱۹۔ مُسند امام احمد

ابن حنبل کی مُسند کو بھی حروف پر مرتب کیا تھا۔ اور اُس کے ساتھ طبرانی کی معجم اور ابو یعلےٰ کی مُسند سے زوائد بھی درج کئے تھے۔

امام ابن کثیر کی تمام تصنیفات میں یہ خوبی عیاں ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں نہایت تحقیق کے ساتھ لکھتے ہیں اور مفصل لکھتے ہیں۔ عبارت سہل اور پیرائہ بیان دلکش ہوتا ہے ✤

(بقیہ مضمون صفحہ ۸ ''سُورۃ البقرۃ'')

خوب ہنستے۔ اتفاقاً سعد بن معاذ رضؓ نے اُن کو ایسا کرتے دیکھ لیا، وہ تاڑ گئے کہ یہ تمسخر اور استہزار کرتے ہیں، کیونکہ وہ عبرانی زبان سے بھی واقف تھے، انھوں نے کہا کہ اگر اب کبھی میں نے تمہیں یہ لفظ رسول اللہ صلعم کی شان میں کہتے سُن لیا تو میں مار ڈالوں گا۔ انھوں نے کہا، تم بھی یہی کہا کرتے ہو۔''

اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہودیوں کی اِس شرارت کے متعلق دوسری جگہ آتا ہے

وراعنا لیا بالسنتهم وطعنا فی الدین (۴۶:۴) زبان کو مروڑ مروڑ کر اور دینِ اسلام پر طعنہ کی راہ سے ''راعنا'' کہہ کر خطاب کرتے ہیں'' اِس لئے شریعت نے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو حکم دے دیا، کہ ان کے اعمالِ حیات تو ایک طرف، ان کے الفاظ و محاورات سے بھی پوری نفرت کرنی چاہئے۔ اور قولاً، عملاً و اعتقاداً ان سے کُلّی اجتناب کیا جائے۔ ہاں اگر تم کوئی بات نہ سمجھ سکو، تو ''اُنظرنا'' کہدیا کرو اور سمجھنے کی کوشش بھی کرو۔ رہے یہ گستاخ اور دریدہ دہن تو ان کو گستاخی کی سزا مِل جائے گی۔ اور دنیا و آخرت میں ذلیل و رُسوا ہو کر رہیں گے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۴) اُن لوگوں نے کہا: ''خدا کی قسم آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں کہ ہم زمین میں فساد برپا کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چور اُچکے نہیں ہیں۔''

منادی نے جواب دیا ''ہم تم لوگوں پر بلا وجہ چوری نہیں لگاتے لیکن تمہیں کہو اگر پیمانہ تمھارے پاس نکل آیا تو تمھارا فیصلہ کیا ہوگا؟''

اُنھوں نے کہا ''ہمارا ایک قاعدہ قانون مقرر ہے، ہم ذمہ داری کا لحاظ رکھتے ہیں اور عہد و پیمان کے پابند ہیں۔ اگر آپ لوگوں کو ہم میں سے کسی کے کجاوے میں وہ پیمانہ مِل جائے تو اُسے گرفتار کرلیں اور غلام بنا کر اپنے پاس رکھیں، یہی ہمارا قانون ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم بالکل بے گناہ اور ہر الزام سے بری ثابت ہوں گے ✤

مشاہیرِ صحابہؓ

(۲۱)

(ادارہ)

عروہ بن مسعودؓ

آپ عروہ بن مسعودؓ ثقفی مشہور صحابی ہیں اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کے دادا کے بھائی ہیں۔ آپ صلح حدیبیہ میں کفار کی جانب سے کوششِ صلح کے لئے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اُن کی کوششوں کا بھی اِس صلح میں بڑا حصہ تھا۔ آپ ۹ھ میں یا فتح مکہ کے کچھ عرصہ کے بعد رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لائے تھے۔ ان کی زوجیت میں متعدد بیویاں تھیں۔ رسول اللہؐ نے اُن سے فرمایا کہ ان میں سے چار بیویوں کو اپنے لئے اختیار کریں۔ پھر اپنے قبیلہ کے پاس طائف میں جانے کی اجازت طلب کی تاکہ اپنی قوم کو اسلام لانے کی ترغیب دیں۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو خوف ہے تم کو وہ لوگ کہیں قتل نہ کر ڈالیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ میرے قبیلہ کے لوگ اپنی آنکھوں سے بھی زیادہ مجھ کو عزیز رکھتے ہیں۔ پھر آپ طائف واپس گئے اور وہاں اسلام کی تبلیغ کی۔ مگر اُن کے قبیلہ والوں نے اُن کا کہنا نہ مانا۔ ایک روز نمازِ فجر کے وقت آپ نے اپنے مکان کے بالاخانہ پر چڑھ کر اذان شروع کی، جب اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہا، تو ایک شخص نے اُن پر تیر چلایا جس کے صدمہ سے آپ شہید ہوگئے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ ان کی حالت اپنی قوم میں وہی ہے جو صاحب یٰسین کی حالت ان کی قوم میں تھی کہ انھوں نے اپنی قوم کو خدا کی بندگی کی طرف دعوت دی اور قوم نے اُن کو قتل کردیا۔ (یہاں سورۂ یٰسین کی اُس آیت کی طرف اشارہ ہے وجاء من اقصی المدینة رجل یسعیٰ۔ قال یٰقوم اتبعوا المرسلین (الآیة)

عقبہ بن عامرؓ

آپ عقبہ بن عامر جہنیؓ مشہور صحابی قدیم الاسلام اور مہاجر ہیں۔ رسول اللہؐ سے ہجرت کی بیعت کی تھی، نہایت اچھے قاری اور فقہ و فرائض کے عالم تھے۔ اور شاعر و فصیح و بلیغ اور کاتب بھی تھے، آپ خلفاء کے زمانہ میں برابر جہادوں میں شریک رہے، آپ ہی حضرت عمرؓ کی خدمت میں فتح دمشق کی خوشخبری لے کر آئے تھے جنگ صفین میں آپ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے، بعد میں حضرت معاویہؓ نے ان کو اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کی جگہ والیِ مصر مقرر کردیا تھا، اس کے بعد جب انھیں معزول کرنا چاہا تو ان کو جزیرۂ روڈس کی فتح کے لئے بھیجا۔ آپ وہیں مصروفِ جہاد تھے کہ حضرت معاویہؓ نے مصر پر دوسرا والی مقرر کرکے بھیج دیا۔ جب انھوں نے سُنا تو کہا کہ کیا غربت و عزل ساتھ ہی ساتھ ہوئی۔ آپ نے ۵۸ھ میں مصر میں وفات پائی۔

عقبہ بن عمروؓ

آپ عقبہ بن عمرو ابو مسعود بدری انصاری خزرجی جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ عقبۂ ثانیہ کے شرکاء میں سب سے کم سن تھے، غزوۂ احد

اور اُس کے بعد کے تمام معرکوں میں شریک تھے۔ آپ حضرت علی رض کے خاص لوگوں میں سے تھے اور جنگِ صفین میں حضرت علی رض نے آپ کو کوفہ پر اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔ ۴۰ھ سے کچھ قبل وفات پائی۔

عقیل بن ابی طالب رض

آپ عقیل بن ابی طالب رض ہاشمی، یعنی رسول اللہ صلعم کے چچازاد اور حضرت علی رض و حضرت جعفر رض کے حقیقی بھائی ہیں۔ صلحِ حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ میں اسلام لائے۔ اور بعض علمار کا قول ہے کہ صلح حدیبیہ سے قبل ایمان لائے۔ بہر حال غزوۂ حنین اور غزوۂ موتہ میں شریک تھے، رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ "میں تم کو دو سببوں سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں، ایک تو قرابت کی وجہ سے دوسرے اس وجہ سے کہ چچا (جناب ابو طالب) اپنی اولاد میں تم سے سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے"۔ آپ حضرت جعفر رض سے دس برس اور حضرت علی رض سے بیس برس بڑے تھے۔ آپ قریش کے نسب اور معائب کے بڑے عالم تھے اور نہایت حاضر جواب تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رض کے پاس گئے تو حضرت معاویہ رض نے فرمایا کہ "اے ابو لہب کے بھتیجے آؤ"، عقیل رض نے فوراً کہا "اے حمالۃ الحطب کے بھتیجے کہاں بیٹھوں؟" اس کے بعد حضرت معاویہ رض نے فرمایا کہ، یہ کیا بات ہے کہ آخر عمر میں بنی ہاشم کی بصارت جاتی رہتی ہے؟ عقیل رض نے کہا، کہ معلوم نہیں کیا بات ہے کہ بنی اُمیہ کی آخر عمر میں چشمِ بصیرت جاتی رہتی ہے (یعنی بے عقلی کی باتیں کرتے ہیں)

آپ جنگِ صفین میں کسی جانب شریک نہیں ہوئے۔ آپ کی آمد و رفت حضرت معاویہ رض اور حضرت علی دونوں طرف ہوتی رہتی تھی۔ آپ کی وفات حضرت معاویہ رض کے آخر زمانہ خلافت یا یزید بن معاویہ کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی۔

عکاشہ بن محصن رض

آپ عکاشہ بن محصن اسدی جلیل القدر قدیم الاسلام صحابی ہیں یہ غزوۂ بدر اور اُحد اور دیگر تمام غزوات میں شریک تھے غزوۂ بدر میں لڑتے ہوئے اُن کی تلوار ٹوٹ گئی، تو رسول اللہ صلعم نے آپ کو ایک لکڑی مرحمت فرمادی جو اُن کے ہاتھ میں تلوار ہو گئی، بعد کے غزوات میں یہ برابر اسی سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رض کی خلافت میں بہ عمر ۴۵ سال فتنۂ ارتداد میں شہید ہوئے ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم اہلِ جنت کا کچھ ذکر فرمار ہے تھے کہ ستر ہزار آدمی ایسے ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ سُنکر عکاشہ رض کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم ایسی دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی ان ستر ہزار کے ساتھ اُٹھائے رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تم ان ستر ہزار میں سے ہو، اس پر ایک اور صحابی کھڑے ہوئے (غالباً سعد بن عبادہ رض) اور انھوں نے بھی ایسا ہی عرض کیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ، عکاشہ تم سے پہل کر گئے (سبقك بها عكاشه) یہ جملہ اب بطور ضرب المثل کے مستعمل ہے۔ علمار کہتے ہیں کہ عکاشہ نے بیعتِ رضوان میں سب سے پہلے رسولِ کریم صلعم سے بیعت کی، اور اس پر رسول اللہ صلعم نے ان کو جنت کی خوشخبری دی ✣

علمِ حدیث

(۷)

(مولانا اشفاق الرحمٰن، کاندھلوی)

ایک بار حضرت سعد بن ہشام مدینہ آئے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے وتر کی کیفیت پوچھی۔ اُنھوں نے کہا حضرت عائشہ رضؓ آپؐ کے وتر کی بہت بڑی عالم ہیں، اُنھوں نے حضرت حکیم بن افلح کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا، انھوں نے انکار کیا تو ان کو قسم دلائی، اور اب وہ ساتھ ہوگئے، دروازہ پہ اِذن طلب کیا تو بولیں، کون؟ بولے حکیم بن افلح! پھر فرمایا، ساتھ میں کون ہے؟ بولے سعد بن ہشام، فرمایا ہشام بن عامر جو اُحد میں شہید ہوئے؟ بولے ہاں۔ فرمایا نہایت اچھے آدمی تھے۔ اِس تعارف کے بعد اُنھوں نے کہا کہ، آپؐ کے خُلق کا حال بیان فرمائیے! بولیں آپؐ کا خُلق قرآن تھا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ پھر پوچھا، آپ رات کو تہجد کیونکر پڑھتے تھے؟ بولیں کیا تم سورۂ مزمّل نہیں پڑھتے؟ اِس کے بعد اس تفصیل کے ساتھ ان کے تمام سوالات کے جواب دیئے کہ انھوں نے پلٹ کر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے کہا، خدا کی قسم اس کا نام حدیث ہے۔ (ابوداؤد)

صحابۂ کرام رضؓ حدیث کی روایت کرتے، تو طالبانِ حدیث کا ہجوم ہوجاتا۔ ایک بار شفی اصبحی رضؓ مدینہ آئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا، ابوہریرہ رضؓ وہ درس دے چکے تو انھوں نے تنہائی میں جاکر ایک حدیث کی درخواست کی۔ (ترمذی، ابواب الزہد)

حضرت ابوسعید خدری رضؓ روایتِ حدیث کرتے تھے، تو سامنے آدمیوں کی دیوار کھڑی ہوجاتی تھی (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

ایک صحابی حدیث بیان کرتے تھے تو ان کے گرد آدمیوں کا اِس قدر ہجوم ہوجاتا تھا، کہ اُن کو کوٹھے پر چڑھ کر حدیث بیان کرنی پڑتی تھی۔ (مسند جلد ۵)

صحابۂ کرام اور اتّباعِ حدیث

صحابۂ کرام کا دَور سنہ ۱۱ھ سے شروع ہوا اور دوسری صدی ہجری کے آغاز تک قائم رہا۔ مدینہ کے صحابہ میں حضرت سہل بن سعد بن مالکؓ آخری صحابی ہیں، جنھوں نے باختلافِ روایت سنہ ۸۸ھ یا سنہ ۹۱ھ میں ۹۶ یا سو برس کی عمر میں وفات پائی۔

خود حضرت سہل بن سعد رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں مرجاؤں تو رسول اللہ صلعم سے روایت کرنے والا تم کو دوسرا نہ ملے گا۔ (استیعاب) حضرت انس بن مالکؓ آخری صحابی تھے جو بصرہ میں رہ گئے تھے۔ خود ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ اب کوئی صحابی باقی ہے یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ دیہات کے چند اعرابی البتہ باقی ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلعم کی زیارت کی ہے، لیکن اب کوئی ایسا شخص نہیں جس نے آپ کی صحبت اُٹھائی ہو (ابن صلاح) لیکن انھوں نے باختلافِ روایت سنہ ۹۱ھ یا سنہ ۹۲ھ یا ۱۱ھ میں سو سال کی عمر میں وفات پائی ان کے بعد صرف حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضؓ ایک صحابی رہ گئے تھے جنھوں نے سنہ ۱۱۰ھ میں مکہ میں وفات پائی، وہ خود کہا کرتے تھے کہ آج میرے سوا روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں، جس نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ (استیعاب)

بہر حال عام روایات کی بنا پر پہلی صدی کے ختم ہونے کے ساتھ صحابۂ کرام کا دور بھی ختم ہوگیا اور وہ نورانی صورتیں دُنیا کی آنکھوں سے چھُپ گئیں، جنھوں نے ایک صدی تک دنیا کو بقعۂ نور بنائے رکھا تھا، اب صرف اُن کے اعمالِ صالحہ رہ گئے، اس دَورِ مبارک کے دو حصے ہیں۔ کبارِ صحابہؓ جو ۱۱ھ سے ۴۰ھ تک ہو صغارِ صحابہؓ اور اُن کے تلامذہ، تابعین، یہ دَورِ حکومتِ معاویہ رضؓ ۴۱ھ سے شروع ہوا اور دوسری صدی ہجری کے آغاز تک قائم رہا۔

کبارِ صحابہؓ

رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ سُوءِ اتفاق سے اُن کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اکثر اہلِ عرب مرتد ہو گئے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضؓ کے عزمِ صادق اور مہاجرین اور انصار کی قوتِ ایمانیہ نے اِس حالت میں نہایت کامیاب طریقہ سے ستونِ اسلام کو قائم رکھا۔

شیخین کے فتاوے و احکام کا دار و مدار صرف دو چیز پر تھا

(۱) قرآن پاک: کیونکہ وہی دین و ملت کی بُنیاد ہے اور چونکہ وہ اُن ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا، وہ اس کو نہایت واضح طور پر سمجھتے تھے، اس کے ساتھ اُن کو خصوصیت کے ساتھ اسبابِ نزول کا علم تھا، اور اُس وقت عرب کے علاوہ اور کوئی شخص اُن میں شامل نہیں ہوا تھا۔

(۲) احادیث نبوی: چنانچہ جب کوئی حدیث مل جاتی تھی تو وہ لوگ بالاتفاق اس کا اتباع کرتے تھے اور جو شخص اس روایت کی تصدیق کرتا تھا، اس پر اعتماد کرتے تھے۔

اِس بنا پر جب حضرت ابوبکر رضؓ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو پہلے وہ کتاب اللہ پر نظر ڈالتے، اگر اس میں اس کا حکم مل جاتا تو اُسی پر فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر دوڑاتے، اگر اُن کے پاس کوئی قابلِ فیصلہ حدیث ہوتی، تو اُسی کے موافق فیصلہ کرتے۔ لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی، تو لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اِس مسئلہ میں تم کو رسول اللہ صلعم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے اس حالت میں اکثر لوگ اُٹھ کر کہتے کہ آپؐ نے اِس معاملہ میں یہ یہ فیصلہ کیا ہے۔

حضرت عمر رضؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے لیکن اگر اُن کو وہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو اُس کے متعلق حضرت ابوبکر رضؓ کا فتوے دریافت فرماتے۔ اگر حضرت ابوبکر رضؓ کا کوئی فیصلہ موجود ہوتا اور اُن کو اُس کے خلاف کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو اُسی کے مطابق فیصلہ کرتے اسی احتیاط فی القبول کے ساتھ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔

صحابۂ کرام کے سامنے ایسے مسائل بھی پیش ہوتے تھے جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہوتی تھی اِس حالت میں مجبوراً اُن کو قیاس کرنا پڑتا تھا، جس کو وہ لوگ "رائے" سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضؓ قرآن مجید میں کوئی تصریح نہ پاتے اور لوگوں کے پاس حدیث بھی نہ ملتی تو لوگوں کو جمع کر کے اُن سے مشورہ لیتے اور جب کسی چیز پر اُن کا اتفاقِ رائے ہو جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر رضؓ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ جب شریح رضؓ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ان کو ہدایت کی کہ جو چیز تمھیں کتاب اللہ سے معلوم ہو سکے اس کو اسی میں دیکھ لو اور اُس کے متعلق کسی سے دریافت نہ کرو اور جو چیز تم کو اُس میں نہ معلوم ہو سکے

اس کے متعلق حدیثِ نبوی کا تتبع کرو اور جو چیز تم کو حدیث میں بھی معلوم نہ ہو اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کو لکھا کہ قضاءت فریضہ محکمہ یا سنّتِ متبعہ کا نام ہے لیکن جو چیز تم کو قرآن و حدیث سے نہ ملے اور تم کو اُس کی نسبت شبہ ہو تو اُس پر غور کرو اور خوب غور کرو، اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو، پھر ان سے قیاس کرو۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک آدمی سے ملے تو فرمایا، تمھارے معاملہ میں کیا ہوا، اُس نے کہا کہ علیؓ اور زیدؓ نے یہ فیصلہ کیا، بولے اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا، اُس نے کہا کہ آپ کو کس نے روکا ہے خلیفہ تو خود آپ ہیں۔ بولے اگر میں تم کو قرآن و حدیث کی طرف لا سکتا تو انہی کی طرف لوٹاتا۔ لیکن میں تم کو اپنی رائے کی طرف لوٹاتا ہوں اور رائے ایک مشترک چیز ہے، اِس بنا پر انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا۔

قرآن مجید کے بعد صحابہ رضؓ کا محورِ عمل رسول اللہؐ کی ذات تھی، اِس لئے وہ تمام اعمال میں آپؐ کی سنت کا اتباع کرتے تھے۔ "سنتِ عادیہ واتفاقیہ" کا اگرچہ اتباع ضروری نہیں، لیکن صحابۂ کرام رضؓ اُس تک کی اتباع کا اہتمام غایت درجہ اجزاءِ دین کے برابر کرتے تھے۔

حضرت ابو الدرداء رضؓ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے، کسی نے کہا کہ اِس عادت کو ترک کر دیجئے ورنہ لوگ آپ کو احمق سمجھیں گے۔ بولے میں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا ہے کہ جب بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے۔ (مسند ابن حنبلؒ)

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ سوار ہونے لگے تو رکاب میں بسم اللہ کہہ کر پاؤں رکھا، پشت پر پہنچے تو الحمد للہ کہا، پھر تین بار اللہ اکبر کہا، پھر یہ دعا پڑھی سبحٰنک انی ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لایغفر الذنوب الا انت پھر ہنس پڑے لوگوں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا، رسول اللہؐ انہی پابندیوں کے ساتھ سوار ہوتے تھے اور اخیر میں ہنس پڑتے تھے۔ (ابوداؤد)

ایک صحابی آپؐ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپؐ کی قمیص کا تکمہ کھلا ہوا ہے، آپ کی تقلید میں انھوں نے بھی عمر بھر قمیص کا تکمہ کھلا رکھا۔ (مسند)

غرض اِس طریقہ پر کبار صحابہ رضؓ کے عہد میں احکام کے ماخذ چار تھے۔

(۱) قرآن (۲) حدیث (۳) قیاس یا رائے۔ یہ قرآن و حدیث ہی کی فرع تھی (۴) اجماع اور یہ بدیہی بات ہے کہ وہ اپنے اجماع میں قرآن و حدیث اور قیاس ہی سے استناد کرتے ہونگے

حضرت ابوبکر رضؓ جب اپنی رائے سے کوئی اجتہاد کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ میری رائے ہے اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے، اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضؓ کے ایک محرر نے لکھا کہ یہ خدا کی رائے اور عمر کی رائے ہے تو انھوں نے کہا کہ یہ نہایت بڑی بات ہے یہ عمر کی رائے ہے، اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو عمر کی جانب سے۔ اور فرمایا سنت وہ ہے جس کو خدا اور خدا کے رسول نے مقرر کیا ہے۔ رائے کی غلطی کو امت کے لئے سنت نہ بناؤ۔ اس دور کے مشہور ترین مفتی خلفائے اربعہؓ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ حضرت معاذ بن جبل رضؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابت رضؓ ہیں۔ لیکن ان میں حضرت عمرؓ

حضرت علی رضؓ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ اور حضرت زید بن ثابت رضؓ نے زیادہ تر فتوے دیئے ہیں

احادیث اور شیخین

منکرین احادیث کی تحریروں میں بارہا یہ نظر سے گزرا ہے کہ، خلفائے راشدین خصوصاً شیخین حدیثوں کو قابلِ حجّت نہ سمجھتے تھے اور اس کے ثبوت میں وہ روایتیں لائی جاتی ہیں جنھیں شیخین رضؓ سے روایات اور کتابتِ احادیث کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ ہم ان روایتوں پر ان کے بیان کے بعد آئندہ کلام کریں گے۔ اس وقت ہم صرف یہ تنبیہ ضروری سمجھتے ہیں کہ، دعوے اور دلیل میں انطباق نہیں۔ دعوے یہ ہے کہ احادیث کو ناقابلِ حجت سمجھتے تھے اور دلیل حدیثوں کے بیان کرنے اور کتابت کرنے کی ممانعت۔ کیا کسی چیز کو حجت سمجھنا اس پر موقوف ہے کہ، اس کو لکھا کرے اور بہ کثرت بیان کیا کرے؟

کتاب اللہ کے بعد ثانوی درجہ وہ احادیثِ نبوی کو کیسے نہ دیتے، جب کہ نبی کریم صلعم نے اپنے عہد مبارک میں قضاء جیسے اہم معاملے کے لئے یہی ترتیب قائم فرمائی تھی۔

عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم لما بعثہ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض علیک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ ۔ الی آخر الحدیث) ترمذی، ابوداؤد، دارمی)۔

"حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے منقول ہے کہ، حضورؐ نے جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا کہ جب تمھارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو اُس کا فیصلہ کیسے کروگے؟ عرض کیا، کتاب اللہ کے موافق کروں گا۔ فرمایا، اگر اُس کا حکم تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کیا، حضورؐ کی سنت کے موافق فیصلہ کروں گا۔" الخ

خود حضور صلعم کے ارشادات ہیں:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ (بخاری ومسلم) "جس نے میری اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔"

ما امرتکم بہ فخذوہ وما نھیتکم عنہ فانتھوا۔ جس بات کا میں تم کو حکم دوں، اُس کو کرو، اور جس سے منع کروں اُس سے باز رہو!" (ابن ماجہ)

فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی۔ "جو میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ سو تم میری سنت کو لازم پکڑو" (دارمی)

پھر کیسے ممکن تھا کہ خلفائے راشدینؓ حدیث وسنت کو حجّت نہ سمجھتے، بلکہ خود ان کا عمل کتاب اللہ کے بعد حدیث ہی پر تھا۔

حضرت ابوبکر کا طرزِ عمل

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ ذلک خرج فسال المسلمین۔ (مسند دارمی، اعلام الموقعین) "حضرت ابوبکرؓ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب کوئی نزاع پیش ہوتا تو کتاب میں غور کرتے، اگر اس میں اس کا حکم پاتے تو اس کے موافق فیصلہ کر دیتے، اور اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملتا اور حضورؐ سے اس کے بارے میں کوئی سنت معلوم ہوتی، تو اس کے موافق فیصلہ کرتے، اور اگر اس سے بھی عاجز ہوتے تو مسلمانوں سے رائے لیتے

اور خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلا خطبہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے

دیا اُس کے چند الفاظ یہ ہیں:

یا ایہا النّاس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم و لکن نزل القرآن وسن النّبی صلی اللہ علیہ وسلّم السنن فعلّمنا فعلمنا ایّہا النّاس انما انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی و ان زغت فقومونی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳)

"اے لوگو! میں تمہارا والی بنایا گیا ہوں، مگر میں تم سب سے افضل نہیں ہوں۔ بات یہ ہے کہ قرآن نازل ہو چکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقے بتا کر ہم کو سکھا دیا ہے، اے لوگو! میں متبع ہوں، احکام کا موجد نہیں ہوں پس میں اگر ٹھیک چلوں تو میری مدد کرو، اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کرو۔"

حضرت ابو بکرؓ کے اِس اصول اور طرزِ عمل کی عملی مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) حضورؐ کی وفات کے بعد ہی حضرت ابو بکرؓ کو حدیث ہی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

صحابہ رضؓ میں اختلاف ہوا کہ جسدِ اطہر کو کہاں دفن کیا جائے کچھ لوگ کہتے تھے، مسجد نبوی میں رکھا جائے، اور کچھ لوگ کہتے تھے دیگر صحابہؓ کے قریب دفن کیا جائے۔ اِس کا فیصلہ حضرت ابو بکرؓ نے ہی کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ جہاں پر نبی کی روح قبض ہو، وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کو سب صحابہؓ نے تسلیم کیا اور جائے وفات یعنی حجرۂ حضرت عائشہؓ میں مزار مقدس قرار پایا اور جائے وفات کا فرش اُٹھا کر وہیں قبر شریف کھود دی گئی۔ (موطا امام مالکؒ، ابن ماجہ)

اِس واقعہ سے نہ صرف حضرت ابو بکرؓ کا تمسک بالحدیث ثابت ہو بلکہ تمام صحابہؓ کا بالاتفاق تمسک بالحدیث ثابت ہوتا ہے کیونکہ سب نے اس کو منظور کیا اور حدیث سُننے کے بعد کسی نے اختلاف نہ کیا تو حجیّتِ حدیث پر اجماع ہو گیا۔

(۲) حضورؐ کی وفات کے بعد جب حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ کی میراث مانگی تو حضرت ابو بکرؓ نے جواب میں حدیث پیش کی، اور کتاب اللہ کے احکامِ وراثت سے نبی صلعم کے پسماندہ کو مستثنیٰ رکھ کر حدیث پر عمل کیا، آنحضرتؐ کے مال کو وقف قرار دیا اور مطالبۂ میراث کے جواب میں فرمایا:

ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قال نورث ماترکنا صدقۃ (بخاری ومسلم) "یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ وقف ہے"

یہ واقعہ بھی صحابہؓ کے سامنے ہوا اور کسی نے نکیر نہیں کی حتیٰ کہ حضرت فاطمہؓ تک نے نہ کہا کہ حسبنا کتاب اللہ یا حدیث حجت نہیں یا حدیث کو تشریعی حیثیت حاصل نہیں۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس ایک عورت اپنے پوتے کی میراث مانگنے آئی۔ فرمایا قرآن میں تمہارے حصہ کا ذکر نہیں اور نہ دادی کے حصہ کے متعلق مجھے رسول اللہ صلعم کا کوئی حکم معلوم ہے اس وقت مغیرہ بن شعبہؓ موجود تھے، انھوں نے کہا مجھے معلوم ہے "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دادی کو چھٹا حصہ دلواتے تھے" فرمایا، کوئی اور شاہد ہے؟ تو محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی۔ اُن کی شہادت سُنکر آپ نے اُس عورت کو چھٹا حصہ دلوا دیا۔ (ابو داؤد، تذکرۃ الحفاظ)

تفسیر محمدی (تفسیر ابن کثیر اردو)

یہ علامہ ابن کثیر دمشقی کی بلند پایہ و مشہور عالم تفسیر کا ترجمہ ہے۔ یہ تفسیر دنیائے اسلام میں بہترین اور مستند تسلیم کی گئی ہے۔ ہر زمانے کے علماء نے اس کو قبولیت کا شرف بخشا ہے اور امّ التفاسیر کا لقب دیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سب سے مفید سب سے زیادہ قرآن کریم بطریق سلف صالحین سمجھا دینے والی تفسیر "تفسیر ابن کثیر" ہی ہے اور اس کے بعد تمام عربی و اردو تفاسیر اسی سے ماخوذ ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ سب سے پہلے تو کلام اللہ کی آیت کی تفسیر، کلام پاک کی دوسری آیات سے کرتے ہیں، پھر احادیث سے، پھر سلف صالحین سے۔ تمام احادیث و آثار کے حوالے بھی دیتے ہیں، اس وجہ سے یہ تفسیر دنیا کی تمام تفسیروں سے اعلیٰ ہے۔

قیمت جلد اوّل: پارہ ۱ تا ۶ مجلد ۱۳/۸ * قیمت جلد دوم: پارہ ۷ تا ۱۲ مجلد ۹/۸ * قیمت جلد سوم: پارہ ۱۳ تا ۱۸ مجلد ۹/۸ * قیمت جلد چہارم: پارہ ۱۹ تا ۲۴ مجلد ۱۰/- * قیمت جلد پنجم: پارہ ۲۵ تا ۳۰ مجلد ۱۲/۸ * قیمت کامل مجلد ۵۵/- *

الگ الگ پاروں کا ہدیہ حسب ذیل ہوگا

پارہ نمبر	قیمت	پارہ نمبر	قیمت	پارہ نمبر	قیمت
۱	۳/۸	۱۱	۱/۸	۲۱	۲/-
۲	۲/۸	۱۲	۱/۸	۲۲	۲/-
۳	۲/-	۱۳	۱/۸	۲۳	۲/-
۴	۲/-	۱۴	۱/۸	۲۴	۲/-
۵	۲/-	۱۵	۲/-	۲۵	۲/-
۶	۲/۸	۱۶	۲/-	۲۶	۲/۸
۷	۲/-	۱۷	۱/۸	۲۷	۲/-
۸	۲/-	۱۸	۱/۸	۲۸	۲/-
۹	۲/-	۱۹	۱/۸	۲۹	۲/۸
۱۰	۲/-	۲۰	۱/۸	۳۰	۲/۸

ملنے کا پتہ } نور محمد۔ اصح المطابع و کارخانہ تجارتِ کتب۔ فریر روڈ۔ آرام باغ۔ کراچی

غزل

نظر خورجوی

ماں ہی جب کہ روح جسد سے روانہ ہو
ہونٹوں پہ میرے تیری وفا کا ترانہ ہو

دنیا سمجھ رہی ہے تمھارا ہی جاں نثار
تم کو یقین ہو میری محبت کا یا نہ ہو

ی چاہتا ہے یوں ہی گزر جائے زندگی
میری جبیں اور ترا آستانہ ہو

آتا ہے اِس طرح دلِ بےتاب کو قرار
ہر وقت تیرا ذکر ہو تیرا افسانہ ہو

س زندگی سے موت ہی بہتر ہے اے نظرؔ
جس سے کبھی جہاں میں کسی کا بھلا نہ ہو

غزل

اِس آس پہ شاید کہیں مل جائے کنارا
ہر حلقۂ گرداب کا لیتا ہوں سہارا

ہر ایک مصیبت کو کیا میں نے گوارا
گیسوئے سیاست کو بہر طور سنوارا

وہ آج مرے ممتحنِ عشق و وفا ہیں
ہے اوج پہ دیکھو مری قسمت کا ستارا

جب بھی کبھی زنداں میں اُٹھا شورِ سلاسل
میں نے یہی سمجھا کہ مجھے تو نے پکارا

طوفاں کے تھپیڑوں سے میں گھبرا کے نظرؔ آج
ہر موج کے دامن کو سمجھتا ہوں کنارا

علمائے سلف

(محمد حبیب الرحمٰن، شہ

طلبِ علم

علمائے سلف کے جن حالات سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں، ان میں طلب علم کو سب سے اوّل ہم نے قائم کیا ہے۔ اہلِ علم کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں۔ یہ منزل سب سے پہلی ہے اور یہ تقدم نہ صرف بلحاظ زمانے کے ہے، بلکہ باعتبار اہمیت اور شان کے بھی۔ کیونکہ یہی وہ منزل ہے جو اس بات کا فیصلہ کر دیتی ہے کہ کون منزلِ مقصود تک پہنچے گا، اور کون حرماں نصیب ہوگا۔

دو طالب علم

ایک عالم کا ذکر آپ آئندہ پڑھیں گے کہ، ایک شب اپنے دو طالب علموں کو انھوں نے دیکھا کہ ایک تکیہ کا سہارا لئے کتاب دیکھ رہا تھا، دوسرا دو زانو مستعد بیٹھا مطالعہ میں مشغول تھا اور وقتاً فوقتاً کچھ لکھتا بھی جاتا تھا۔ جوہر شناس اُستاد نے یہ ماجرا دیکھ کر اوّل کی نسبت کہا کہ اِنَّهُ لَا يَبْلُغُ دَرَجَةَ الْفَضْلِ (اس کو فضیلت کا رتبہ حاصل نہ ہوگا) دوسرے کی بابت فرمایا کہ سَيُحَصِّلُ الْفَضْلَ وَيَكُوْنُ لَهُ شَانٌ فِي الْعِلْمِ (یہ شاندار فاضل ہوگا) تجربہ نے ثابت کیا کہ پیشین گوئی بالکل سچی تھی۔

پس جو منزل اس طرح آئندہ زندگی کا فیصلہ کر دینے والی ہو اس کے مہتم بالشان ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ اِس منزل کو اگر صرف اوّل منزل کہہ کر چھوڑ دیا جائے، تو ایک پہلو اس کا بیان ہوگا۔ جس طرح یہ منزل سب سے اوّل ہے اسی طرح سب سے آخر ہے

بلکہ یہ کہنا قطعاً مبالغے سے مبرّا ہے کہ باکمال علماء کی زندگی میں ... سے آخر تک یہ منزل ختم نہیں ہوتی۔ آپ آئندہ بہت سے ... اس دعوے کی تائید میں پائیں گے۔ اہلِ کمال نوے برس کی ... بھی طالب علم تھے، اور جب اُن کی روح سکرات کے تلاطم میں ... تو اُن کا دل و دماغ خدمتِ علم میں مصروف تھا۔

مہر تو در وجودم و عشقِ تو در سرم
با شیر اندروں شد و با جاں بدر شود

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ نے فرمایا ہے کہ هٰذَا الـ... شَانٌ مَنْ لَيْسَ لَهُ شَانٌ سِوٰى هٰذَا الشَّانِ یعنی طلبِ علم جواں مردوں کا کام ہے جن کو یہی دھن ہو۔

طالب علمی کا پہلا دور۔

طالب علمی کے مختلف دَور ہیں۔ پہلا دور مکتب یا مدرسہ ... استاد کی زیر نگرانی ختم ہوتا ہے اور فی الواقع اس کو بنیاد کہ ... سے زیادہ کوئی لقب نہیں دیا جا سکتا۔ اگر کوئی شخص ایک عالی ... عمارت کا منصوبہ دماغ میں قائم کرے اور اُس کی بنیاد ... سطح زمین سے کچھ بلند کر دے اور اِتنی محنت کے بعد وہ ... خیال کرے کہ میں مکان بنا چکا۔ تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ... شان عمارت بن چکی، چند ہی روز میں ہوا اور بارش کے صد... اس بنیاد کو بھی نسیاً منسیاً کر دیں گے، اور اُس کے بانی کی ... ہمتی کی ایک عبرتناک یادگار قائم رہ جائے گی، بجنسہٖ یہی حا...

ہونہار طالب علموں کا ہے جو مدرسہ چھوڑ کر یہ سمجھ لیں کہ ہم عالم بن چکے
ہ اپنی ہونہاری کا خون کر کے اپنے استاد اور دوستوں کے
ں کو حسرت کا داغ دیں گے۔

دوسرا دور

دوسرا دور طالب علمی کا مدرسے کے بعد شروع ہوتا ہے،
میں انسان خود شاگرد بنتا ہے اور خود اُستاد ؎

معلم گیست عشق و کنج خاموشی دبستانش
سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش
ز ہر کس نابد ایں استاد شاگردی نہ ہر کوہی
بدخشاں باشد و ہر سنگریزہ لعل رخشانش

دور کی انتہا وہ ہے، جو بلند خیال ابن العلا نے مقرر کی ہے یعنی دامت الحیٰوۃ تحسن بہ (جب تک زندگی بخیر رہے) پس طالب ی اور کمال گویا ایک ہی ہیں اور اس لحاظ سے ہم نے طلبِ علم کو ل اور آخر منزل قرار دیا ہے۔

جن جوان مردوں نے میدانِ طلبِ علم کو طے کیا ہے وہ جانتے یں کہ یہ راہ کیسی معرکہ خیز اور صبر آزما ہے۔ کہیں افلاس کا مردم خوار و اپنی منحوس صورت دکھاتا ہے اور قوتِ لایموت کے حاصل ہونے ی بھی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ کبھی جڑی بوٹی کے پتوں پر بسر کرنی وتی ہے اور کبھی نان بائی کی دکان پر صرف بوئے طعام پر قانع ونا پڑتا ہے۔ کہیں محنت و مشقت سے دل گھبراتا ہے اور چھکے چھوٹتے ہیں، کسی کو ناز و نعمت کے کرشمے اپنی طرف کھینچتے ہیں کسی کی نفسانی خواہشیں دست بہ گریباں ہوتی ہیں۔ غرض ایک ہنگامۂ بلا خیز سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن ارادوں میں ذرا بھی وت کی کمی ہوتی ہے، وہ اِن معرکوں کے مقابلہ میں پست ہو جاتے ہیں اور ان کی زبان حال پر لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ کا مضمون ہوتا ہے، لیکن سچی طلب اپنا راستہ صاف کر کے طالب کو مطلوب تک پہنچا دیتی ہے۔ جس قدر دقّت اور صعوبت پیش آتی ہے، ان بہادر طالبوں کے عزم زیادہ مستحکم اور حوصلے زیادہ بلند ہو جاتے ہیں، اگر حوصلوں میں وسعت اور ارادوں میں استحکام نہ ہوتا تو اہلِ اسلام کو شیخ الاسلام تقی بن مخلد، امام بخاری اور حکیم ابونصر فارابی نصیب نہ ہوتے۔ کیا چقندر کے پتّے اور جنگل کی گھاس کھا کر اور شب کو پاسبانوں کی لالٹینوں سے مطالعہ کر کے امام اور حکیم بن جانا آسان ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ وہ کونسی قوت تھی، جس نے علی بن عاصم عراقی اور ابن سنجر کو ناز و نعمت کی آغوش سے چھین کر راہِ طلب میں سرگرداں کر دیا اور اتنا پھرایا کہ ایک کو مسند عراق اور دوسرے کو حافظِ کبیر بنا کر چھوڑا بے شک یہ طلبِ صادق ہی کا کرشمہ تھا۔

اتنی تمہید، یہ امر ناظرین باتمکین کے ذہن نشین کر سکے گی کہ ہم علمائے سلف کی طلب علم کی نسبت کس کس پہلو پر بحث کرنے والے ہیں اور سچی طلب کا معیار ہمارے پاس کیا ہے؟

افلاس

انسان کا حوصلہ پست کرنے والی، اور ہمت کی کمر توڑ دینے والی دنیا میں کوئی چیز غالباً افلاس سے بڑھ کر نہیں ہے، مفلسی میں پھنس کر آدمی عزم کا استحکام اور ارادے کی استواری بالکل کھو بیٹھتا ہے اور دل و دماغ کی شگفتگی جو تمام بلند خیالیوں کا سرچشمہ ہے قطعاً معدوم ہو جاتی ہے۔ اگر ایک سرسبز چمن کی سیرابی کے سارے ذرائع مسدود کر دیئے جائیں تو وہ مایۂ بہجت سراپا وحشت بن جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ جس چمن کے نشو و نما یافتہ گلبن جل کر ہیزم خشک ہو جائیں اس میں تازہ بادوں کے اُگنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ بعینہٖ یہی مصیبت

افلاس کے ہاتھوں انسانی دل ودماغ پر نازل ہوتی ہے۔ مفلسی نہ صرف موجودہ خیالات کا ستیاناس کرتی ہے، بلکہ آئندہ حوصلوں اور اُمنگوں کا پیدا ہونا بھی بند کردیتی ہے ؎

آنچہ شیراں راکند روبہ مزاج　　احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

خدا جانے کتنی قابلیتوں کا خون اس مردم خوار دیو کی گردن پر ہے، اور کس قدر استعدادیں اِس بے درد کے ہاتھوں ضائع ہوئی ہیں جو بلند ہمّت نوجوان اپنے بڑھتے ہوئے ارادوں میں افلاس کے پھندے میں پھنس کر مایوسی کے ساتھ بے دست وپارہ جاتے ہیں ان کی مثال بجنسہٖ ایسی ہے کہ ایک سیاہ ہرن اپنی طاقت اور قوت کے زعم میں اکڑا چلا جارہا ہے۔ میدان کی وسعت اُس کے دل میں اُمنگیں پیدا کر رہی ہے اور قدم قدم پر اس کی چال بڑھتی جاتی ہے ناگاہ وہ صیّاد کے مضبوط پھندوں میں (جو دور تک پھیلے ہوئے ہیں) پھنسکر گر پڑا۔ اب وہ جس قدر اپنی قوت صرف کرتا ہے، اتنی ہی پھندوں کی گرفت سخت ہوتی جاتی ہے، جن لوگوں نے یہ منظر ملاحظہ کیا ہے، وہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ جنگل کا آزاد منش پہلوان کیسا ان پھندوں میں پڑکر اپنی چوکڑی بھول جاتا ہے۔ آہ! اے افلاس تو آج مسلمانوں کے حوصلوں پر ہمیشہ سے زیادہ بیداد کر رہا ہے، جس قوم میں حوصلوں کا قحط اور ہمت کا کال ہو، اسمیں اگر کچھ اولوالعزم جویائے کمال نکل آئیں تو اُن کو پیس کر رکھ دے۔ ہائے یہ کیسا ظلم ہے لیکن تجھ کو یاد ہوگا کہ تیرا زور آج کل کی طرح ہمیشہ ہماری ہمتوں پر غالب نہیں رہا۔

حافظ الحدیث حجاج بغدادی

کیا تجھ کو یاد نہیں ہے کہ جب حافظ الحدیث حجاج بغدادی شبابہ کے ہاں تحصیل علم کو جانے لگے، تو ان کی مقدرت کی کل کائنات یہ تھی کہ اُن کی دل سوز والدہ نے سَو کلچے پکا دیئے جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے، روٹیاں مہربان ماں نے پکادی تھیں، سالن ہونہار اور دلیر فرزند نے خود تجویز کرلیا اتنا کثیر ولطیف کہ آج تک صدہا برس گزرنے کے بعد بھی و ہی ترو تازہ موجود ہے۔ وہ کیا؟ دجلے کا پانی۔ حجاج ہر روز ایک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور اُستاد سے پڑھتے۔ جس روز وہ روٹیاں ختم ہوگئیں، ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔

شیخ الاسلام بقی بن مخلد اس سے بھی زیادہ مؤثر حکایت بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں، جس پر ایام طالبِ علمی میں اتنا سخت زمانہ گزرا تھا کہ بے مائیگی کی وجہ سے چقندر کے پتّے کھا کھا کر بسر کرتا۔ پتّے کھانا کچھ زیادہ عجیب بات نہیں، بھوک وہ بلا ہے کہ لختِ جگر بچّوں کے کباب ماں باپ کو کھلا کر چھوڑتی ہے۔ قابلِ تحسین وہزار آفرین یہ امر ہے کہ جس افلاس نے چقندر کے پتّے کھانے پر مجبور کیا اُس میں اتنی قوت نہ تھی کہ علمی شوق پر غالب آتا اور اس دلیر طالب علم کی ہمت توڑ دیتا۔

امام بخاری

یادش بخیر! امام بخاریؒ کو ایام طالبِ علمی میں ایک سفر میں تہی دستی نے اِتنا مجبور کیا کہ تین دن انھوں نے جنگل کی بوٹیاں کھائیں۔

ابن المقری، ابو الشیخ اور طبرانی، یہ تینوں شیخ عصر ایک زمانہ میں مدینۂ طیبّہ میں طالب علمی کرتے تھے۔ ایک بار ان پر ایسا وقت آیا کہ خرچ کی قلت نے بہت پریشان کیا اور یہاں تک نوبت

پہنچی کہ روزے پر روزہ رکھا۔ بھوک نے جب بہت مضطرب کیا، تو اُنھوں نے حضرت سرورِ کائنات کا وسیلہ ڈھونڈا۔ اور سب کے سب مل کر آستانۂ پاک پر گدایانہ حاضر ہوئے اور صدا دی کہ "یارسول اللہ الجوع" (اے رسول اللہ بھوک نے ستایا ہے) اس کے بعد طبرانی تو وہیں بیٹھ گئے اور کہا کہ یا موت آئے گی یا روزی۔ ابن المقری اور ابو الشیخ لوٹ کر فرودگاہ پر چلے آئے۔ وہ صدا خالی کب جاتی کچھ عرصہ کے بعد دروازۂ مکان پر کسی نے دستک دی، دروازہ جو کھولا تو دیکھا کہ ایک عُلوی مع دو غلاموں کے تشریف فرما ہیں اور غلاموں کے سروں پر بہت سا سامان ہے، ان کو دیکھ کر عُلوی نے کہا کہ آپ لوگوں نے میری شکایت حضورِ نبوی میں کی۔ خواب میں آپؐ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ تمھارے پاس کچھ پہنچا دوں۔ چنانچہ یہ حاضر ہے۔

شیخ الفقہاء امام برقانی

شیخ الفقہاء امام برقانی جب اسفرائن پڑھنے گئے تو ان کے پاس تین اشرفیاں اور ایک درہم تھا۔ سوءِ اتفاق سے اشرفیاں راہ میں گم ہو گئیں، درہم باقی رہ گیا۔ اسفرائن پہنچکر وہ درہم ایک نان بائی کے ہاں جمع کر دیا، ہر روز اس سے دو روٹیاں لے لیتے اور احمد بن بشیر کے ہاں سے ایک جزء کتاب کا لاکر شام تک نقل کرتے اور شام کو نقل شدہ جزء واپس پہنچا دیتے۔ تیس جزو نقل ہوئے تھے کہ درہم ختم ہو گیا اور انھوں نے مجبور ہو کر اسفرائن سے سفر اختیار کیا۔

امام ابو علی بلخی

امام ابو علی بلخی جب عسقلان میں تھے تو خرچ سے اس قدر تنگ ہو گئے کہ کئی فاقوں کی نوبت پہنچی اور ضعف نے لکھنے سے معذور کر دیا۔ جب بھوک کی اذیت برداشت نہ ہو سکی تو نان بائی کی دکان پر اِس غرض سے جا بیٹھے کہ کھانے کی خوشبو سے ہی کچھ تقویت طبیعت کو پہنچالیں۔

ابو حاتم رازی

فنِ حدیث کے عالی مرتبہ امام ابو حاتم رازی اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ، میں زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرہ رہا، ایک مرتبہ تنگ دستی کی یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کھائے جب کپڑے بھی نہ رہے تو دو دن بھوکا رہا۔ آخر ایک رفیق سے اظہارِ حال کیا۔ خوش قسمتی سے اُس کے پاس ایک اشرفی تھی، نصف اس نے مجھ کو دیدی۔

امام ابن جریر طبری

امام ابن جریر طبری نے تنگی خرچ کے سبب سے اپنے کرتے کی دونوں آستینیں بیچ کر کھائی تھیں۔

ابن ابی داؤد

ابن ابی داؤد جب کوفہ میں بغرض حصولِ علم گئے تو صرف ایک درہم پاس تھا، اُس کا باقلار خریدا، باقلار کھاتے اور طالب علمی کرتے

شیخ الاسلام ابو العلاء ہمدانی

شیخ الاسلام ابو العلاء ہمدانی کو بغداد میں کسی نے اِس حال میں دیکھا کہ رات کو مسجد کے چراغ کی روشنی میں جو بلندی پر تھا کھڑے کھڑے لکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان کو تیل خریدنے کی مقدرت ہوتی تو یہ تکلیف وصعوبت کیوں گوارا کرتے۔

حکیم ابو نصر فارابی

حکیم ابو نصر فارابی جن کا ایک عالم میں شہرہ ہے ان کی نسبت بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ عہدِ طالب علمی میں تہی دستی کی بدولت چراغ کا تیل خریدنے سے بھی معذور تھے تاہم ان کا شوق بیکار رہنے والا نہ تھا رات کو پاسبانوں کی قندیلوں سے کام لیتے اور ان کی روشنی میں کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے۔ اِس تنگحالی میں وہ علمی ترقی کی کہ سارے جہان میں اپنا نام روشن کر دیا۔

چند مفید کتب

انوار محبوبی ترجمہ قلیوبی	۴/-
احسن المواعظ	۲/۸
اکرم المواعظ	۱/۸
افضل المواعظ	۱/۸
اوجز السیر سیرت خیر البشر	۱/۸
اسماء الرجال مشکوٰۃ اردو مجلد	۳/-
امر بالمعروف اردو مولانا آزاد	۱/۸
اُسوۂ حسنہ اردو مجلد	۵/-
اشاعتِ اسلام اردو	۵/-
انیس الواعظین اردو	۵/-
بوادر النوادر اردو کامل (مواعظ مولانا تھانوی)	۱۲/
تفسیر قادری اردو ترجمہ تفسیر حسینی کامل	۲۴/-
تفسیر سعیدی اردو ترجمہ تفسیر حسینی کامل	۲۴/-
تعلیم الدین اردو	۱/-
تفسیر المعوذتین اردو	۱/۴
تفسیر موضح القرآن اردو مجلد	۱۲/-
تفسیر عزیزی اردو پارہ عم	۴/-
〃 فارسی پارہ عم	۳/۸
تاریخ اسلام اردو عاشق الٰہی	۴/-
تاریخ حبیب اللہ اردو	۱/۴
تاریخ الخلفاء اردو	۴/
التشبہ فی الاسلام اردو	۲/-

تاریخ مذہب شیعہ اردو	۲/-
جنت کی کنجی	۱/۸
حیات المسلمین	۱/۸
حیات مسیح اردو	۱/-
حقوق و فرائض اسلام اردو مجلد	۶/-
حکایاتِ صحابہ اردو	۲/-
حقیقۃ الصیام اردو آزاد	۱/۸
〃 الحج 〃	۱/-
〃 الزکوٰۃ 〃	۱۰/
خطبات مدراس اردو سید سلیمان ندویؒ	۳/۴
دوزخ کا کھٹکا	۱/۴
سیرت امام اعظم اردو مجلد	۳/-
شرح مقدمہ مشکوٰۃ اردو	۱/-
شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل	۱/۸
شہادت حسین اردو مولانا آزاد مجلد	۱۲/
فیروز اللغات اردو کامل کلاں مجلد	۱۵/-
〃 خورد مجلد	۴/۸
فیروز اللغات فارسی اردو مجلد	۱۳/-
فیض سبحانی اردو	۳/-
فوز الکبیر عربی۔ شاہ ولی اللہ	۲/-
〃 فارسی	۱/-
نشر الطیب — اردو	۳/-

فضائلِ نماز اردو	۱۲/
〃 تبلیغ اردو	۶/
〃 قرآن مجید اردو	۱۰/
〃 رمضان اردو	۸/
الفاروق اردو مجلد	۴/-
فتوح الشام اردو	۶/-
فردوس آسیہ اردو	۳/-
قیامت نامہ فارسی شاہ رفیع الدین	۶/
کتاب الوسیلہ اردو	۵/-
کشکول کلیمی اردو	۱/۴
کریم اللغات اردو	۱/۸
لغات کشوری اردو	۸/-
منصب امامت اردو، اسمٰعیل شہید مجلد	۲/۸
مجموعہ مناجات مقبول مترجم مجلد	۲/-
مجموعہ حالات و کرامات عزیزی اردو	۱/۴
مجموعہ حالات و مقامات امام ربانی اردو	۱/۱۲
محاورات ہند اردو	۱/۸
نور الایقان ترجمہ تکمیل الایمان	۱۲/
الورد الشذی تقریر ترمذی اردو	۴/-

فہرست مفت طلب فرمائیں

نور محمد، اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ۔ فریر روڈ۔ کراچی

دورِ حاضر

(عالم، اکبر آبادی)

نشاطِ مستی میں لڑکھڑاتے ہوئے قدم بھی سنبھال لوں گا
جگر اندھیروں کا چیر کر میں تجلّیوں کو نکال لوں گا
میں اِس ناخداشناس ماحول میں اُلجھ کر نہ رہ سکوں گا

میں اب بخوبی سمجھ چکا ہوں سیاستِ حاضرہ کی چالیں
مفاد دیکھیں تو بے تکلّف یہ آدمی کو خدا بنالیں
میں اِس ناخداشناس ماحول میں اُلجھ کر نہ رہ سکوں گا

خدا سمجھ کر خدا کی عظمت دلوں میں باقی نہیں رہی ہے
کبھی جو پہلے تھی میکدے میں وہ بات ساقی نہیں رہی ہے
میں اِس ناخداشناس ماحول میں اُلجھ کر نہ رہ سکوں گا

جہاں پہ انسان ذرا سے عیش و طرب کی خاطر ضمیر بیچے
بلاتکلّف متاعِ ایماں غریب بیچے امیر بیچے
میں اِس ناخداشناس ماحول میں اُلجھ کر نہ رہ سکوں گا

چراغِ بزمِ طرب میں اب تک لہو غریبوں کا جل رہا ہے
مرے موافق نہیں زمانہ ابھی وہی چال چل رہا ہے
میں اِس ناخداشناس ماحول میں اُلجھ کر نہ رہ سکوں گا

فریب ثابت ہوا تو رعنائیاں بہاروں کی چھین لوں گا
مجھے ضرورت اگر پڑی، روشنی ستاروں کی چھین لوں گا
میں اِس ناخداشناس ماحول میں اُلجھ کر نہ رہ سکوں گا

عجیب سوداگری ہے عالم امانتوں کو امین بیچے
یہ اقتدارِ ذلیل کب تک؟ جو قوم بیچے جو دین بیچے
میں اِس ناخداشناس ماحول میں اُلجھ کر نہ رہ سکوں گا

حیاتِ امام حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ

(مولانا عبدالرشید نعمانی)

نام و نسب

اسمٰعیل نام، ابو الفدا کنیت، عماد الدین لقب اور ابن کثیر عُرف ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
اسمٰعیل بن عمر بن کثیر بن ضنو بن ذرع[۱] القیسی[۲] البصروی ثم الدمشقی۔

آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے، اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب ایک ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

۱؎ ہم نے اس تذکرہ کے مرتب کرنے میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی ہے:

(۱) "اختصار علوم الحدیث" از حافظ ابن کثیر مطبوعہ مطبع ماجدیہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ اس پر شیخ محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے حواشی اور تعلیقات ہیں اور شروع میں ان ہی کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے۔ جس میں "حیاۃ الامام ابن کثیر" کے عنوان سے پانچ صفحات میں امام موصوف کا تذکرہ لکھا ہے۔ (۲) "تذکرۃ الحفاظ" از حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔ (۳) "ذیل تذکرۃ الحفاظ" از حافظ ابو المحاسن حسینی دمشقی المتوفی ۷۶۵ھ مطبوعہ دمشق۔ (۴) "الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ" از عبدالقادر قرشی حنفی المتوفی ۷۷۵ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ (۵) "الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ" از حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ۔ (۶) "لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ" از حافظ تقی الدین بن فہد المتوفی ۸۷۱ھ (۷) "ذیل طبقات الحفاظ" از حافظ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ مطبوعہ دمشق۔ (۸) "کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" از علامہ حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ مطبوعہ استنبول ۱۳۶۰ھ (۹) "شذرات الذہب فی اخبار من ذہب" از علامہ ابن العماد حنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ (۱۰) "البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع" از قاضی محمد بن علی شوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ (۱۱) "ابجد العلوم" از نواب صدیق حسن خاں قنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۵ھ (۱۲) "تعلیقات بر ذیول تذکرۃ الحفاظ" از علامہ محدث زاہد کوثری المتوفی ۱۳۷۱ھ۔

۲؎ حافظ ابو المحاسن کے ذیل میں یہ لفظ ذال کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔ اور شذرات الذہب میں زا کے ساتھ۔

۳؎ حافظ ابن حجر کی درر کامنہ اور حافظ سیوطی کے ذیل میں القیسی ہی مذکور ہے۔ لیکن حافظ ابن فہد کے ذیل میں بسلسلۂ وفیات جہاں حافظ ابن کثیر کے دونوں صاحبزادوں، زین الدین عبدالرحمٰن اور بدر الدین محمد کی وفات کا ذکر آیا ہے۔ دونوں جگہ القرشی لکھا ہے۔ اور نواب صدیق حسن خاں کی ابجد العلوم میں، اور محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے مقدمہ میں بھی یہی مرقوم ہے۔

ولادت و تعلیم و تربیت

آپ کی ولادت[۱] ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی، جو ملک شام کے مشہور شہر بصریٰ کے اطراف میں ایک قریہ ہے، اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے۔ ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد بزرگوار نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو یتیمی کا داغ اُٹھانا پڑا، باپ کا سایہ سر سے اُٹھا تو بڑے بھائی نے اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۷۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشو و نما ہوئی۔ ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ بعد کو شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبد الرحمٰن فزاری معروف بابن فرکاح شارح تنبیہ المتوفی ۷۲۹ھ اور شیخ کمال الدین بن قاضی شہبہ سے اِس فن کی تکمیل کی۔ اس زمانے میں دستور تھا، کہ طالبِ علم جس فن کو حاصل کرتا، اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا۔ چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں "التنبیہ فی فروع الشافعیۃ" مصنفہ شیخ ابو اسحاق شیرازی المتوفی ۴۷۶ھ کو حفظ کر کے ۷۱۸ھ میں سُنا دیا اور اصولِ فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی المتوفی ۶۴۶ھ کی مختصر کو زبانی یاد کیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین، محمود بن عبد الرحمٰن اصفہانی، شارح مختصر ابن حاجب المتوفی ۷۴۹ھ سے پڑھی تھیں۔

فنِ حدیث کی تکمیل آپ نے اس عہد کے مشہور اساتذۂ فن سے کی تھی۔ علامہ سیوطی، ذیل تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

سمع الحجّار والطبقة یعنی حجّار[۲] اور اس طبقہ کے علمائے آپ نے سماع حدیث کیا۔

حجّار کے ہم طبقہ وہ علما، جن سے آپ نے علمِ حدیث حاصل کیا۔

---

[۱] حافظ سیوطی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور علامہ ابن العماد نے شذرات الذہب میں سنہ ولادت ۷۰۰ ہجری لکھا ہے اور حافظ ابو المحاسن حسینی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور قاضی شوکانی نے البدر الطالع میں ۷۰۱ھ بتایا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنہ میں ۷۰۰ھ یا اس کے کچھ بعد بیان کیا ہے۔ اور حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔ یہ ۷۰۰ھ کے بعد یا اسی سنہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

[۲] حجّار اس عہد کے بڑے نامور محدث گزرے ہیں "مسند الدنیا" (دنیا کو اسناد بتانے والے) اور "رحلة الآفاق" (جس کی طرف آفاق سے سفر کیا جائے) کہلاتے تھے، ان کا درس ساری دنیا میں مشہور تھا۔ دور و دراز ممالک سے لوگ سفر کر کے آتے اور اُن سے حدیث کی سند لے کر واپس ہوتے تھے۔ ان کی کنیت ابو العباس، لقب شہاب الدین اور نام احمد ہے۔ حجّار اور ابن الشحنہ عرف ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے احمد بن ابی طالب بن ابی النعم نعمۃ بن حسن بن علی بن بیان الدیر مقرنی ثم الصالحی، حنفی المذہب تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ میں اور حافظ شمس الدین ابن طولون نے الغرف العلیہ فی ذیل الجواہر المضیہ میں آپ کا بڑا مبسوط تذکرہ لکھا ہے۔ آپ کے شیوخ اور مرویات بہت زیادہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ، آپ نے اِس قدر طویل عمر پائی کہ دادا سے لے کر پوتوں تک کو درس دیا۔ چنانچہ دمشق وغیرہ میں ستر بار سے زیادہ صرف بخاری کا درس دیا۔ اور اپنا وہ اعزاز و اکرام دیکھا کہ جس سے زیادہ ہو نہیں سکتا۔ حفاظِ حدیث چُن چُن کر آپ سے حدیثیں سُنتے، اور دُور دُور سے سفر کر کے آتے اور اژدحام کئے رہتے تھے۔ وفات سے ایک دن پہلے محب الدین ابن المحب نے آپ سے صحیح بخاری شروع کی، دوسرے دن ظہر تک سلسلۂ درس جاری رہا۔ عین ظہر کے قریب ۲۵ صفر ۷۳۰ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

اور جن کا ذکر خصوصیت سے آپ کے تذکرہ میں علماء نے کیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) عیسیٰ بن المطعم (۲) بہاؤ الدین قاسم بن عساکر، المتوفی ۷۲۳ھ (۳) عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الآمدی المتوفی ۷۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بابن سویدی المتوفی ۷۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزی (۸) حافظ ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبی (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیرازی، المتوفی ۷۴۹ھ

لیکن اِن تمام حضرات میں سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا وہ محدّث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمٰن مزی شافعی مصنف تہذیب الکمال المتوفی ۷۴۲ھ ہیں۔ حافظ مزی نے خصوصی تعلق کی بنا پر اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کر دیا تھا۔ اِس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر دیا۔ سعادت مند شاگرد نے اپنے محترم اُستاد کی شفقت سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ مدّتِ مدید تک حاضر خدمت رہے اور ان کی اکثر تصانیف کا جس میں تہذیب الکمال بھی داخل ہے خود اُن سے سماع کیا اور اِس فن کی پوری تکمیل اُن ہی کی خدمت میں رہ کر کی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں و تخرج بالمزی ولازمہ وبرع۔ اسی طرح حافظ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ سے بھی آپ نے بہت کچھ علم حاصل کیا تھا اور عرصہ تک اُن کی صحبت میں رہے تھے۔

حافظ ابنِ حجر نے لکھا ہے کہ مصر سے آپ کو دبوسی۔ وآنی[۵۱] ا... ختنی[۵۲] وغیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی۔

منزلتِ علمی

امام ابن کثیر کو علمِ حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ اور ... میں بھی کمال حاصل تھا چنانچہ علّامہ ابن العماد حنبلی، ابن حبیب ... ناقل ہیں:

انتہت الیہ ریاسۃ العلم فی التاریخ والحدیث والتف...

"ان پر تاریخ، حدیث اور تفسیر میں ریاست علمی ختم ہو گئی" اور مشہ... مورّخ علامہ ابو المحاسن جمال الدین یوسف ابن تغری بردی حنفی، ... الصافی، المستوفی بعد الوافی میں لکھتے ہیں:

وکان لہ اطلاع عظیم فی الحدیث والتفسیر والفقہ... والعربیۃ "حدیث، تفسیر، فقہ اور عربیت میں ان کو بڑی معل... تھیں" اور حافظ ابو المحاسن حسینی فرماتے ہیں:

وبرع فی الفقہ والتفسیر والنحو وامعن النظر فی... الرّجال والعلل "فقہ، تفسیر اور نحو میں ماہر تھے۔ اور رجا... وعلل حدیث میں بڑی گہری نظر پیدا کی تھی"

خاص طور پر علمِ حدیث میں تو اُن کا یہ پایہ ہے کہ حفاظِ حد... میں شمار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابو المحاسن حسینی اور علا...

---

۵۱ غالباً حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم وانی حنفی المتوفی ۷۳۵ھ مراد ہیں۔ حافظ سیوطی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ اور اُ... کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ حافظ عبد القادر قرشی بھی حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ چنانچہ انھوں نے طبقات الحنفیہ میں اُن کا ذکر... ہے اور اُن کو "الامام المحدث" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

۵۲ یہ مصر کے نامور محدّث بدر الدین یوسف بن عمر ختنی حنفی ہیں "مسند البلاد المصریہ" کہلاتے تھے، علوم اسناد میں منفرد تھے، ۷۳۱ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ امام تقی الدین سبکی۔ احمد دمیاطی اور حافظ عبد القادر قرشی کے فنِ حدیث میں اُستاد ہیں۔ حافظ قرشی... الجواہر المضیۃ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ پر جو ذیل لکھے ہیں، اُس میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ اور خود امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں جہاں اپنے ممتاز شیوخِ حدیث اور رفقاءِ درس کا تعارف کرایا ہے، ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، لیکن آپ کی نظم متوسط درجہ کی ہوتی تھی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

تمر بنا الایام تترىٰ و انما
نساق الی الآجال والعین تنظر

"دن پیاپے گزرتے جاتے ہیں اور ہم آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہنکائے چلے جا رہے ہیں......"

فلا عائد ذاک الشباب الذی مضی
ولا زائل ھذا المشیب المکدر

"سو اب نہ تو وہ گزری ہوئی جوانی لوٹ کر آسکتی ہے اور نہ یہ کدورت بھرا بڑھاپا زائل ہونے والا ہے۔"

تیسرے مصرعہ میں اگر ذاک الشباب کی بجائے صفو الشباب ہوتا تو بڑا بلیغ ہوتا۔

علماء کا آپ کی خدمت میں خراجِ تحسین

حافظ زین الدین عراقی المتوفی ۸۰۶ھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ مغلطائی، ابن کثیر، ابن رافع اور حسینی اِن چاروں معاصرین میں کون سب سے بڑا ہے؟ حافظ عراقی نے جواب دیا ان میں سب سے زیادہ وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم تو مغلطائی ہیں اور سب سے زیادہ متون و تواریخ کے حافظ ابن کثیر ہیں اور سب زیادہ طلبِ حدیث میں تھکنے والے اور مؤتلف و مختلف کے عالم ابن رافع ہیں اور سب سے شیوخ معاصرین سے باخبر اور تخریج کے واقف حسینی ہیں۔

اور حافظ ذہبی نے المعجم المختص میں ابن کثیر کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے الامام المفتی المحدث البارع فقیہ متفنن ومحدث متقن مفسر اور تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں الفقیہ المفتی المحدث ذی الفضائل اور اِس کے بعد لکھتے ہیں:

ولہ عنایۃ بالرجال والمتون والفقہ خرّج و ناظر وصنّف وفسّر وتقدم۔

"ان کو رجال، متون حدیث اور فقہ کے ساتھ اعتناء ہے انھوں نے احادیث کی تخریج کی، مناظرہ کیا، تصنیف کی، تفسیر لکھی اور آگے بڑھ گئے۔"

اور حافظ حسینی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

"الشیخ الامام العالم الحافظ المفید البارع" مثل

اور حافظ سیوطی فرماتے ہیں: الامام المحدث ذو الفضائل

اور علامہ ابن العماد لکھتے ہیں الحافظ الکبیر۔ اور حافظ ابن حجی المتوفی ۸۱۶ھ جو آپ کے نامور شاگرد ہیں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں:

"حفظ من ادرکناہ لمتون الاحادیث واعرفہم بجرحہا ورجالہا وصحیحہا وسقیمہا وکان اقرانہ وشیوخہ یعترفون لہ بذلک وما اعرف انی اجتمعت بہ علی کثرۃ ترددی الیہ الا واستفدت منہ"

"ہم نے جن لوگوں کو پایا ان سب میں وہ متون احادیث کے سب سے بڑے حافظ اور جرح اور رجال اور صحیح اور ضعیف کے سب سے زیادہ پہچاننے والے تھے اور اس بارے میں اُن کے معاصرین اور

---

۵ مشہور حفاظِ حدیث میں ہیں۔ حنفی تھے۔ حافظ ابن فہد اور حافظ سیوطی نے اپنے اپنے ذیل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ۷۶۲ھ میں وفات پائی۔

اساتذہ بھی ان کے معترف تھے اور مجھے یاد نہیں کہ باوجود میرے کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ میں آپ سے ملا ہوں اور استفادہ نہ کر سکا ہوں"

اور حافظ ابن ناصر الدمشقی الرد الوافر میں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں الشیخ الامام العلامۃ الحافظ عماد الدین ثقۃ المحدثین عمدۃ المورخین علم المفسرین۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی (جن کے متعلق کشف الظنون نے لکھا ہے کہ "ان کا قلم لوگوں کے اظہار معائب میں برا تھا اور زبان اچھی تھی۔ کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ خوبی باقی رہتی"[1] ان کو بھی امام ابن کثیر کے متعلق اتنا تسلیم ہے کہ واشتغل بالحدیث مطالعۃ فی متونہ ورجالہ "حدیث کے متون اور رجال کے مطالعہ میں مشغول رہتے" تاہم اپنی عادت کے مطابق یہ ریمارک کر گئے ہیں

ولم یکن علی طریق المحدثین فی تحصیل العوالی و تمیز العالی من النازل ونحو ذلک من فنونھم وانما ھو من محدثی الفقھاء "یہ عالی اسانید کی تحصیل اور عالی و نازل کی تمیز اور اسی قسم کے دیگر فنون میں جو محدثین کے خاص فن ہیں، محدثین کی طرح نہ تھے، بلکہ یہ تو فقہاء کے محدث تھے"

لیکن حافظ سیوطی نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

قلت العمدۃ فی علم الحدیث معرفۃ صحیح الحدیث وسقیمہ وعللہ واختلاف طرقہ ورجالہ جرحا وتعدیلا واما العالی والنازل ونحو ذلک فھو من الفضلات لا من الاصول المھمۃ "میں کہتا ہوں اصل چیز علم حدیث میں صحیح اور سقیم کی پہچان اور علل اور اختلاف طرق کا علم اور رجال کی جرح و تعدیل سے واقفیت ہے۔ رہا عالی[2] و نازل وغیرہ سو یہ زوائد میں داخل ہیں، نہ کہ اصول مہمہ میں"

اور علامہ محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں:

"اگرچہ حافظ ابن کثیر پر متون حدیث کے حفظ کرنے کا زیادہ غلبہ تھا۔ لیکن ان کی حیثیت اتنی گری ہوئی بالکل نہ تھی کہ وہ طبقات رواۃ اور ان کے احوال کی معرفت کے اعتبار سے عالی و نازل کی بھی تمیز نہ کر سکتے ہوں، بلکہ یہ بات تو ایسے شخص پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی جو علم رجال میں ان سے بدرجہا کمتر ہو اور بھلا یہ کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ وہ ایک طویل مدت تک مزی کی خدمت میں برابر حاضر رہے اور التکمیل کے جمع کرنے پر لگے رہے اور حافظ ابن حجر کی اندرونی باتیں ان لوگوں کے تذکرہ میں کھل جاتی ہیں، جو فضل و کمال میں مشہور ہیں"

---

[1] اصل عبارت یہ ہے کان قلم ابن حجر سیئا فی مثالب الناس ولسانہ حسنا ولیتہ عکس لیبقی الحسن (ضمن الجواہر والدرر)

[2] جس سند میں وسائط کم ہوں وہ عالی ہے اور جس میں زیادہ ہوں وہ نازل ہے۔ فقہاء کا اصل کام ہے مسائل کا استنباط، اس لئے ان کی نظر زیادہ تر متن حدیث پر ہوتی ہے، اور وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس سے مسئلہ کیا نکلا؟ سند سے انھیں صرف اتنی بحث ہوتی ہے کہ اس میں جتنے لوگوں کے نام لئے جا رہے ہیں، بس وہ معتبر اور قابل قبول ہوں۔ باقی رہی یہ بات کہ اس میں واسطے زیادہ ہیں یا کم؟ یہ چیز ان کی نظر میں چنداں اہم نہیں لیکن ارباب روایت میں اس کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ ان کے نزدیک صرف ایک واسطے کو کم کرنے کے لئے بھی سفر مستحسن ہے۔

مورخین نے حافظ ابن کثیر کے حافظ اور فہم کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ ابن العماد لکھتے ہیں کان کثیر الاستحضار قلیل النسیان جید الفہم۔

درس و افتا، ذکر الٰہی، شگفتہ مزاجی

حافظ ابن کثیر کی تمام عمر درس و افتا اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی۔ حافظ ذہبی کی وفات کے بعد مدرسہ "ام صالح" اور مدرسہ "تنکزیہ" (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدرسے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے، بڑے ذاکر شاغل تھے چنانچہ ابن حبیب نے آپ کے متعلق لکھا ہے امام ذی التسبیح والتہلیل۔ طبیعت بڑی شگفتہ پائی تھی۔ لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف میں حسن الفاکہۃ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، یعنی بڑا پُرلطف مزاح کیا کرتے تھے۔ غالباً اسی قسم کا یہ واقعہ بھی ہے کہ جب حافظ زین الدین عراقی جو فنِ حدیث[1] میں امام حافظ علاء الدین ابن الترکمانی حنفی مصنف الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی کے تلمیذ خاص اور ان ہی کے ساختہ پرداختہ تھے۔ شیخ الاسلام تقی الدین سبکی کے درس میں حاضر ہوئے تو شیخ الاسلام نے اپنے درس میں بڑی عظمت کے ساتھ ان کا ذکر کیا اور بڑے اہتمام سے ان کا تعارف کرایا اور ان کی معرفت و اتقان کی بہت تعریف کی، اس پر حافظ ابن کثیر بولے کہ مجھے تو ان سے یہ بھی بعید معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماء مشمس (وہ پانی جو دھوپ میں گرم ہو گیا ہو) سے وضو کے بارے میں جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے اسی کو نکال سکیں

علامہ ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق

اخیر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حافظ ابن کثیر کو اپنے اُستاد علامہ ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق تھا، جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ بعض ان مسائل میں بھی ابن تیمیہ سے متاثر تھے، جن میں وہ جمہور سلف سے منفرد ہیں، چنانچہ ابن قاضی شہبہ اپنے طبقات میں لکھتے ہیں۔

کانت لہ خصوصیۃ بابن تیمیۃ ومناضلۃ عنہ واتباع لہ فی کثیر من ارائہ وکان یفتی برائہ فی مسئلۃ الطلاق وامتحن بسبب ذلک واوذی۔ "ان کو ابن تیمیہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور ان کی طرف سے لڑا کرتے تھے اور بہت سی آراء میں اُن کی اتباع کرتے تھے، چنانچہ طلاق کے مسئلہ[2] میں بھی ان ہی کی رائے پر فتوے دیتے تھے، جس کے نتیجے میں آزمائش میں پڑے اور ستائے گئے۔"

وفات

اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی، جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس ۲۶ تاریخ ۷۷۴ھ میں وفات پائی (رحمۃ اللہ علیہ) اور مقبرۂ صوفیہ میں اپنے محبوب اُستاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ آپ کے کسی شاگرد نے آپ کی وفات پر بڑا دردانگیز مرثیہ لکھا ہے، جس کے دو شعر یہ ہیں:

لفقدک طلاب العلوم تاسفوا   وجادوا بدمع لا یبید غزیر
ولو مزجوا ماء المدامع بالدما   لکان قلیلاً فیک یا ابن کثیر

---

[1] حافظ ابن فہد، ذیل تذکرۃ الحفاظ میں حافظ عراقی کے ترجمے میں لکھتے ہیں اخذ علم الحدیث عن شیخ علاء الدین ابن الترکمانی وبہ تخرج وانتفع۔ ۱۲

[2] شیخ ابن تیمیہ کی رائے میں اگر تین طلاقیں ایک ہی ساتھ دی جائیں، تو وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ ۱۲

"شائقینِ علوم تمہارے اُٹھ جانے پر متاسف ہیں اور اِس کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں کہ تھمنے ہی کو نہیں آتے، اور اگر وہ آنسو ؤں کے ساتھ خون بھی ملا دیتے، تب بھی اے ابن کثیر تمہارے لئے یہ تھوڑا تھا"

پس ماندگان میں دو صاحبزادے بڑے نامور ہوئے ہیں ایک زین الدین عبد الرحمٰن، جن کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی اور دوسرے بدر الدین ابو البقاء محمد، یہ بڑے پایہ کے محدّث گزرے ہیں انھوں نے ۸۰۳ھ میں بمقام رملہ وفات پائی ہے، ان دونوں کا ذکر حافظ ابن فہد نے اپنے ذیل میں بسلسلۂ وفیات کیا ہے۔

تصنیفات

آپ نے تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ میں بڑی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ آپ کے اخلاص کا ثمرہ اور حُسنِ نیت کی برکت تھی کہ بارگاہِ ایزدی سے اُن کو قبولِ عام اور شہرتِ دوام کی سند عطا ہوئی۔ مورخین نے آپ کی تصانیف کی افادیت اور اُن کی قبولیت کا ذکر خاص طور سے کیا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں:

"ولہ تصانیف مفیدة" ابن حجر کہتے ہیں:

"سادت تصانیفه فی البلاد فی حیاته و انتفع الناس بها بعد وفاته" (ان کی زندگی ہی میں ان کی تصانیف شہر شہر جا پہنچیں، اور ان کی وفات کے بعد لوگ اُن سے نفع اندوز ہوتے رہے)

اور شوکانی لکھتے ہیں:

"وقد انتفع الناس بتصانیفه لا سیما التفسیر" (لوگوں نے ان کی تصانیف خصوصًا تفسیر سے نفع اُٹھایا)۔

آپ کی جن تصانیف پر ہمیں اطلاع مل سکی وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر القرآن الکریم۔ جس کے متعلق حافظ سیوطی تصریح کرتے ہیں کہ لم یولف علی نمطه مثله (اس طرز پر دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی)۔

اور محدث کوثری فرماتے ہیں:

ھو من افید کتب التفسیر بالروایة (یہ تفسیر بالروایة میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے)۔

اور قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وقد جمع فیه فاوعی، ونقل المذاهب والاخبار والآثار وتکلم باحسن کلام وانفسه (اس میں جمع کیا اور خوب محفوظ کر دیا، مذاہب نقل کئے، حدیثیں لکھیں، آثار درج کئے اور بہت ہی عمدہ اور نہایت نفیس کلام فرمایا)۔

مصنف اِس کتاب میں سب سے پہلے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر ایک آیت کی تفسیر اسی مضمون کی دوسری آیات کی روشنی میں کرتے ہیں۔ پھر محدثین کی مشہور کتابوں سے اس کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کو نقل کر کے ان کی اسانید و رجال پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد آثارِ صحابہ و تابعین کو لاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کا یہ سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے کہ انھوں نے تفسیر اور تاریخ سے اسرائیلیات کو بہت کچھ چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے، اور سچ یہ ہے کہ اس اہم کام کے لئے ان جیسے باریک نظر محدث ہی کی ضرورت تھی، یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اگر ان کی علمی خدمات میں صرف یہی ایک خدمت ہوتی، تب بھی وہ ان کے فخر کے لئے کافی تھی، الحمد للہ! یہ کتاب متداول ہے اور بارہا طبع ہو چکی ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ۔ فنِ تاریخ میں ان کی بیش قیمت تصنیف ہے اور مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے، اس میں بدء کائنات

سے لے کر احوالِ آخرت تک درج ہیں، پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اُمم ماضیہ کا ذکر ہے، پھر سیرتِ نبویہ کا بیان ہے اور اس کے بعد خلافتِ راشدہ سے لے کر اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے، پھر اشراط الساعۃ اور احوالِ آخرت کا بیان ہے۔ اس تاریخ میں بھی امام موصوف نے غرائب مناکیر اور اسرائیلیات کو چھانٹ دیا ہے۔

صاحبِ کشف الظنون لکھتے ہیں:

اعتمد فی نقلہ علی النص من الکتاب والسنۃ فی وقائع الالوف السالفۃ ومیز بین الصحیح والسقیم والخبر الاسرائیلی وغیرہ۔

(گزشتہ ہزارہا سال کے وقائع میں کتاب وسنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے، اور صحیح، ضعیف اور اسرائیلی روایات وغیرہ کو جدا کر دیا ہے)۔

مؤرخ ابن تغری بردی اس تاریخ کے متعلق لکھتے ہیں۔

ھو فی غایۃ الجودۃ (یہ نہایت ہی خوب ہے)۔

امام علامہ حافظ بدر الدین محمود عینی حنفی، شارح بخاری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر اسی کتاب پر اعتماد کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کا اختصار بھی کیا ہے۔ کشف الظنون میں ہے کہ، محمود بن محمد بن دلشاد نے "البدایہ والنہایہ" کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ اس تاریخ میں واقعات اور وفیات دونوں درج ہیں۔ سیرت نبویہ کا حصہ خاص طور پر سب سے بہتر ہے، مگر بے شمار مشاہیر علماء کا تذکرہ درجِ کتاب ہونے سے رہ گیا ہے اس میں مصنف کی وفات سے ۲ سال قبل تک کے حالات آ گئے ہیں۔

۳- التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل

صاحبِ کشف الظنون نے اس کتاب کا نام التکملۃ فی اسماء الثقات والضعفا لکھا ہے۔ لیکن خود مصنف نے "البدایہ والنہایہ" اور "اختصار علوم الحدیث" میں یہی نام لکھا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، فنِ رجال میں ہے اور حسب تصریح حافظ حسینی پانچ جلدوں میں ہے۔ اس میں مصنف نے حافظ مزی کی "تہذیب الکمال" اور حافظ ذہبی کی "میزان الاعتدال" کو جمع کر دیا ہے اور جابجا اپنی طرف سے اُس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں۔ خود مصنف کی رائے اس کتاب کے بارے میں یہ ہے:

وھو انفع شئ للفقیہ البارع وکذالک للمحدث

(یہ ان چیزوں میں ہے کہ جو ماہر فقیہ اور اسی طرح ایک محدث کے لئے بہت زیادہ نفع بخش ہے)۔

۴- الہدیٰ والسنن فی احادیث المسانید والسنن!

یہی کتاب ہے جو "جامع المسانید" کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف نے اس میں مسند امام احمد بن حنبل، مسند بزار، مسند ابی یعلےٰ، مسند ابن ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی روایات کو جمع کر کے اُن کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے۔

محدث کوثری لکھتے ہیں: ھو من انفع کتبہ (یہ اُن کی تصانیف میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے) اس کتاب کا

قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

۵۔ طبقات الشافعیہ

اس کتاب میں فقہاءِ شافعیہ کا تذکرہ ہے۔ اس کا قلمی نسخہ شیخ محمد بن عبد الرزاق حمزہ نے شیخ حسینؒ باسلامہ کے پاس دیکھا ہے جو مکہ معظمہ میں مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

۶۔ مناقب الشافعیؒ

یہ رسالہ امام شافعی کے حالات میں ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر "البدایہ والنہایہ" میں امام شافعی کے تذکرہ میں کیا ہے اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے۔

صاحب کشف الظنون نے اس رسالہ کا نام "الواضح النفیس فی مناقب الامام ابن ادریس" لکھا ہے۔

۷۔ تخریج احادیث ادلۃ التنبیہہ۔

۸۔ تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب

التنبیہہ اور مختصر یہ دونوں کتابیں وہی ہیں جن کو مصنف نے عہدِ طالب علمی میں حفظ کیا تھا۔ ان دونوں کتابوں میں کتبِ حدیث سے تخریج بھی لکھی ہے۔

۹۔ شرح صحیح بخاری

اس کی تصنیف بھی شروع کی تھی، مگر ناتمام رہ گئی، کشف الظنون میں ہے کہ صرف ابتدائی ٹکڑے کی شرح ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر "اختصار علوم الحدیث" میں کیا ہے۔

۱۰۔ الاحکام الکبیر

یہ کتاب بہت بڑے پیمانہ پر احادیثِ احکام میں لکھنی شروع کی تھی۔ مگر "کتاب الحج" تک لکھ سکے، تمام نہ کر سکے۔ مصنف نے "اختصار علوم الحدیث" میں اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ اختصار علوم الحدیث

نواب صدیق حسن خان نے "منہج الوصول فی اصطلاح احادیث الرسول" میں اس کا نام "الباعث الحثیث علی معرفۃ علوم الحدیث" لکھا ہے۔ یہ علامہ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ کی مشہور کتاب "علوم الحدیث" معروف بہ "مقدمہ ابن اصلاح" جو اصول حدیث میں ہے، اختصار ہے۔ مصنف نے اس میں جابجا مفید اضافے کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

ولہ فیہ فوائد (اس کتاب میں حافظ ابن کثیر کے بہت سے افادات ہیں)

۱۲۔ مسند الشیخین

اس میں شیخینؓ یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیثیں مروی ہیں، ان کو جمع کیا گیا ہے۔ مصنف نے "اختصار علوم الحدیث" میں اپنی ایک تصنیف "مسند عمر" کا ذکر کیا ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا وہ مستقل علیحدہ کتاب ہے یا اسی کا حصہ ثانی ہے۔

۱۳۔ السیرۃ النبویہ

یہ سیرت پر بڑی طویل کتاب ہے۔

۱۴۔ الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول

یہ سیرت پر ایک مختصر کتاب ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر اپنی تفسیر "سورۂ احزاب" کے اندر غزوۂ خندق کے بیان میں کیا ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں "کتب خانہ شیخ الاسلام" میں موجود ہے۔

(باقی برصفحہ ۱۶)

سرزمینِ مصر کا ایک اصلاحی قصہ

اٹھارھویں قسط

نجمہ

(معراج محمد بارق)

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

"نجمہ نے اگرچہ گمراہانہ روش چھوڑ کر اسلامی زندگی اختیار کر لی تھی، لیکن وہ ایک مرتبہ اپنی والدہ زینت بیگم کے اصرار پر ان کی منعقد کردہ ایک محفل میں چلی گئی، وہاں محسن نے غلطی سے اُسے نئے فیشن کی لڑکی سمجھ کر اس کی والدہ کو رشتہ پر راضی کر لیا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد اس کو نجمہ کی دینداری کا علم ہوا۔ ایک مرتبہ اس کی والدہ کی منعقد کردہ محفل کا دعوت نامہ آنے پر اس نے کافی کوشش کی کہ وہ ساتھ چلی چلے لیکن وہ رضامند نہ ہوئی، بالآخر وہ ناراض ہو کر تنہا ہی چل دیا۔

آج کی محفلِ شب بھی گزشتہ محفلوں کی طرح ہر قسم کے سامانِ عیش و طرب سے آراستہ تھی۔ یہ محفلیں زینت بیگم ہر سال "امدادی محفل" کے عنوان سے منعقد کیا کرتی تھیں اس مرتبہ اس کی رونق و بزم آرائی دیگر محفلوں سے کسی طرح کم نہ تھی۔ وہ ہر محفل میں سال بہ سال جدت و نُدرت پیدا کرنے کی شوقین تھیں۔ اس مرتبہ انہوں نے ایک چیز کا اضافہ کیا تھا جس کی وجہ سے یہ تمام دیگر مجالس سے ممتاز نظر آتی تھی —— وہ چیز تھی حسن و جمال کا مظاہرہ اور جدید فیشن کے لباس و پوشاک کی نمائش۔ ان پوشاک کی تیاری میں پیرس، لندن اور دیگر مغربی شہروں کے اعلیٰ ترین درزیوں اور کاریگروں نے اپنے فن و ہنر کا مظاہرہ کیا تھا۔

رات کے دس بجتے ہی اس عجیب و غریب نمائش کے آگے سے پردہ ہٹا دیا گیا، لوگ یہ زرق برق پوشاکیں اور قیمتی جوڑوں کے نادر نمونے دیکھ کر تالیاں بجانے لگے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد سب کی نگاہیں اسٹیج کی جانب متوجہ ہوئیں اور سب پر سکوت چھا گیا۔

محسن کی حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے دیکھا کہ "مصری" حسینائیں "مختلف قسم کے عُریاں و نیم عریاں لباس پہنے حاضرین سے بڑے جوش و خروش سے دادِ حُسن لے رہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اُسے پیرس کے وہ کلب یاد آ گئے جہاں اس نے دورانِ تعلیم میں بالکل یہی چیزیں دیکھی تھیں۔

اس کے بعد اس کے کانوں میں اپنی بیوی کی وہ باتیں بھی گونج گئیں جو اس نے ان محفلوں کے اغراض و مقاصد کو طشت ازبام کرتے ہوئے کہی تھیں۔ اب اس کا ضمیر ان تمام باتوں کا قائل ہو گیا تھا جو دورانِ نزاع میں نجمہ نے بیان کی تھیں .... لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کی حکیمانہ باتیں اور صداقت سے پُر اقوال سب بھول گیا اور صرف اس کی ناپسندیدہ باتیں یا سامنے اسٹیج پر پیش ہونے والے دلکش مناظر اس کے ذہن میں رہے۔

مظاہرہ و نمائش ختم ہوتے ہی ان پوشاکوں کا نیلام شروع ہو گیا۔ ہر شخص نے اپنی اپنی پسند کے کپڑے خریدنے شروع کر دیئے۔ مختلف آوازیں بلند ہونے لگیں اور قیمتیں بڑھنی شروع ہوئیں، ہر ایک نے اپنے پسندیدہ لباس کے بڑھ چڑھ کر دام لگائے حتیٰ کہ ایک ایک جوڑے کی قیمت سینکڑوں روپے تک پہنچ گئی۔

اگر آپ نیلام وغیرہ کو ابھی یہیں چھوڑیں اور محفل کے باغیچہ کی طرف دیکھیں تو وہاں آپ کو محسن نظر آئے گا ـــ جس نے شیطانی وسوسہ کو قبول کر لیا ہے اور اب ایک عورت سے عشق و محبت میں مشغول ہے اور اس سے ناجائز تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

بالآخر ان دونوں میں محبت ہو گئی اور جب رات کافی گزر گئی تو آئندہ ملاقات کا دن بھی طے پا گیا۔ جدا ہونے سے قبل اس عورت نے محسن کو ایک بنفشی رنگ کا، سلولائڈ سے بنا ہوا چھوٹا سا حسین پھول بطور نشانی پیش کیا۔

یہ عورت آخر کون تھی جسے تقدیر نے اِس خیانت کار خاوند کے راستے میں لا ڈالا تھا؟

اس کا نام کلثوم تھا ـــ ایک ناز و ادا فروش عورت جس کا خاوند عرصہ ہوا انتقال کر چکا تھا! اب یہ قاہرہ کے عین وسط میں ایک شاندار بلڈنگ میں کچھ ملازمین خدمتگاروں کے ساتھ تنہا رہتی تھی۔

یہ عورت اگر ایک جانب صاحبِ حسن و جمال تھی تو دوسری طرف قلب و ضمیر سے محروم تھی۔ محبت اِس سے کرتی اور روپے اُس سے ٹھگتی! جو اس کے چھوڑنے سے قبل خود اِسے چھوڑ کر چلا جاتا اُسے صلواتیں سناتی اور بُرا بھلا کہتی۔

اُس نے محسن کو محفل میں دیکھا تو اُس میں ایسی صفات پائیں جو ان لوگوں میں موجود نہ تھیں جنہیں وہ دوسرا شکار ملنے پر یکے بعد دیگرے چھوڑتی رہی ـــ اب اس محفل کے وسط میں جس میں زینت بیگم نے اس کو مدعو کیا تھا، وہ اس عورت کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانے میں مشغول تھا۔

بہت سی ماؤں کے خیال میں ان کی بیٹیوں کا لُطفِ شادی اُس وقت تک پورا نہیں ہوتا جبتک کہ وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ مقاماتِ عیش و طرب اور مجالسِ عیش و نشاط میں شریک نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ زینت بیگم اپنی بیٹی اور اسکے خاوند کا ہر محفل و بزم میں شامل ہونا نہایت ضروری سمجھتی تھیں ـــ اور آج وہ اس مجلس میں محسن کو شریک دیکھ کر جتنی خوشی محسوس کر رہی تھیں اسی قدر نجمہ کو غیر موجود پا کر رنج میں مبتلا تھیں۔

اُس روز محسن آدھی رات گزرنے کے بھی کافی دیر بعد گھر لوٹا، وہ شراب کے نشہ میں چُور تھا۔ جب وہ لڑکھڑاتا ہوا خوابگاہ میں داخل ہوا تو نجمہ یکدم جاگ اٹھی، وہ اُس وقت سنجیدگی اور وقار کا نمونہ اور حسن و جمال کا مرقع بنی ہوئی تھی۔ محسن اس کی اس معصوم نسوانیت سے کافی متاثر ہوا، وہ اس کی طرف بڑھا اور اپنی محبت جتانے کے لئے اس کو بوسہ دیا ـــ شیطان نے اس کے دل میں دھوکہ دینے کا یہی طریقہ بتایا کہ اپنی وہ حالتِ غیظ و غضب

ظاہر ہی نہ کی جائے جو گھر سے جاتے وقت طاری تھی۔ نجمہ نے بھی اس میں غصہ وخفگی کو مفقود پایا۔ البتہ اُسے نشہ وشراب کا خمار ضرور محسوس ہوا، کیونکہ اس کے اندر آنے کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔

لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ اس کی یہ حالت اس محفل کی مہلک منشیات کے استعمال سے ہوگئی ہوگی۔ اُسے اُمید تھی کہ جب محسن کو شراب ونشہ ترک کرنے کا وعدہ یاد آئے گا تو خود ان چیزوں کو چھوڑ دے گا۔ وہ اپنے آپ کو اس طرح تسلی دے کر سوگئی۔

لیکن اس کے بعد سے محسن کے عادات واطوار میں نمایاں طور پر تبدیلی پیدا ہوچکی تھی۔ وہ اکثر تنہا جانے لگا تھا۔ اس کی راتوں کا بیشتر حصہ باہر ہی گزرتا تھا۔ شراب خواری میں خاصی ترقی ہوگئی تھی۔ اپنی پیاری بیوی سے برتاؤ بھی کافی حد تک بدل چکا تھا۔ وہ اس کو طرح طرح کے عذر تراش کر ٹال دیتا تھا اور اس کی کسی بات پر کان نہ دھرتا تھا۔

اس منحوس محفل کو پورا ہفتہ گزر گیا۔ محسن اپنی اسی روش پر قائم تھا۔ اس کی بیوی یہ سب کچھ دیکھتی لیکن خاموش ہو رہتی ــــ کہ شاید یہ خود اپنے حال پر غور کرے اور ٹھیک راستے پر آجائے۔

اس ہفتہ کے آخر میں زینت بیگم کو خیال آیا کہ اپنی بیٹی سے ملیں ــــ چنانچہ شام ہی کو وہ اور ان کی بیٹی نسیمہ، نجمہ کے ساتھ بالائی منزل کے ہال میں بیٹھیں باتیں کر رہی تھیں۔ اس وقت محسن کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ زینت بیگم یہ معلوم کر کے بہت ناراض ہوئیں کہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لئے بغیر باہر تفریح کو جاتا ہے۔

ان کو یہ ناراضگی اس وجہ سے نہ تھی کہ ان کی بیٹی کیوں باہر نہیں جاتی، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اس کی خواہش یہی ہے کہ گھر میں بیٹھی رہے۔ ان کو غم اس بات کا تھا کہ کہیں محسن اپنے والد کے نقشِ قدم پر نہ چل پڑے انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ اسکے والد اپنی بیوی کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر میرے ساتھ کس طرح وقت گزارا کرتے تھے۔

لیکن نجمہ کو اس بھید کا کیا علم تھا، اسے اپنی والدہ کا دلی مقصد اور ان کی ناراضگی کا اصل سبب معلوم نہ ہوسکا۔ انہوں نے خاوند کے ساتھ جانے کی نجمہ کو بہت تلقین کی اور اس پر کافی زور دیا۔ نجمہ کو ان کی یہ باتیں بہت ناگوار معلوم ہوئیں، لیکن وہ ڈرتی تھی کہ کہیں وہ اصل واقعات سُن کر ناراض نہ ہوجائیں ــــ نیز نجمہ کو زیادہ فکر اس بات کا تھا کہ اگر اس کے والد کو اس قسم کی ناگوار باتوں اور ہماری باہمی چپقلش کا علم ہوگیا تو ان کی صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔

نجمہ کے لئے یہ لمحہ بہت نازک تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ ان کی باتوں کا کیا جواب دے۔ تمام نشیب وفراز سوچ کر اس نے گھر کی خوشگوار زندگی کا ذکر چھیڑ دیا اور وہ باتیں بیان کرنے لگی جن سے ان کے ذہن میں نہایت خوش وخرم زندگی کا نقشہ آگیا ــــ پھر اس نے محسن کے اکیلے جانے کا بھی ایسا عذر بیان کیا کہ وہ دونوں

مطمئن ہو جائیں اور کسی قسم کا شک و شبہ نہ کریں۔

لیکن نسیمہ اس کی باتوں سے مطمئن نہ ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کو بھی اپنی والدہ کے خفا ہونے کا اندیشہ ہے ـــ اسی لئے وہ خاموش رہی اور مصلحتاً اس کی تائید کرتی رہی، اس کے بعد اس نے خود یہ موضوعِ بحث چھوڑ کر دوسری ہنسی خوشی کی باتیں شروع کر دیں۔

ابھی ان کی یہ خوش گپیاں ہو رہی تھیں کہ برابر کے کمرے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی ـــ کسی ملازم نے زینت بیگم کو بات چیت کے لئے بلایا تھا۔

زینت بیگم کے اٹھتے ہی نسیمہ نے محسن کے بارے میں نجمہ سے سوالات شروع کر دیئے۔ وہ پوچھنے لگی کہ خلافِ معمول ان کے تنہا جانے کا آخر سبب کیا ہے؟ نجمہ نے طرح طرح کے عذر تراشے لیکن نسیمہ قائل نہ ہوئی۔ وہ اس کی ان باتوں سے بالکل مطمئن نہ تھی۔ اس کو طرح طرح سے ملامت کرنے لگی اور اس کی عادات و اطوار پر سخت نکتہ چینی شروع کر دی ـــ کہنے لگی:

ـــ نجمہ! کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ اب شادی کے بعد تم یہ فرسودہ عادات ترک کر دو۔ آجکل کوئی شخص ان باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ تمہارے خاوند بھی ایک تعلیم یافتہ اور جدید تہذیب سے آشنا نوجوان ہیں۔ لازماً انہیں بھی یہ چیزیں ناگوار گزرتی ہوں گی۔

نجمہ نے اس کو ایک نظر بھر کر دیکھا اور بے پرواہی سے کہا:

ـــ لیکن میں اسی حالت میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہوں اور اسی پر مطمئن ہوں۔

ـــ خوش قسمت؟ تم کیسی کم عقل ہو ـــ اسی "خوش قسمتی" کی وجہ سے تم اپنے خاوند کو کھو دو گی، پھر خود اپنے ہی کو ملامت کرتی پھرو گی۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض خاوند اپنی بیوی کے ساتھ نہ چلنے کے سبب اکیلے ہی عیش اُڑاتے ہیں اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تمہاری طرح بہت سی ایسی عورتیں ہیں جو خاوند سے محبت رکھنے کے باوجود محض اپنی دقیانوسی رسوم و رواج کی پابند ہونے کے باعث اپنے خاوندوں کو یونہی چھوڑ دیتی ہیں اور وہ باہر مزے اُڑاتے پھرتے ہیں۔

ان باتوں نے نجمہ کے دل پر کافی اثر کیا، وہ کچھ دیر کے لئے پریشان ہوئی لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور ایک سرد آہ بھر کر کہا:

ـــ لیکن بہن اللہ مالک ہے۔

پھر خاموشی چھا گئی، اتنی دیر میں ان کی والدہ آگئیں انہوں نے جلد واپس جانے کی اجازت مانگی ـــ کیونکہ ان کی انجمن کی چند اراکین ان سے گھر پر ملنے آئی تھیں۔

ان کے باہر جاتے ہی نجمہ کمرہ میں گئی اور مسہری سے لگے ہوئے بڑے صوفہ پر اپنے آپ کو گرا دیا، وہ بہت پریشان تھی، اس نے اپنی بہن کی باتوں پر کافی غور کیا۔ وہ خاص طور پر اس کی خاوند کے ہمراہ جانے کی نصیحت پر حیران تھی، سوچتی تھی:

ـــ آخر یہ نصیحتیں کس لئے؟ ان کی بنیاد کیا ہے؟ کوئی بات ہوئی ہوگی جو اس نے یہ باتیں کیں! ہو سکتا ہے

گزشتہ محفل میں اس نے کچھ ایسی بات دیکھی ہو جس کی وجہ سے آج اسے ان واقعات کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس کے دل میں طرح طرح کے وساوس آتے رہے مختلف خیالات ذہن میں چکر لگاتے رہے، دماغ میں قسم قسم کے شکوک وشبہات جگہ پانے لگے، الغرض وہ تصورات کی دنیا میں کھوئی گئی —— اور اس رات کا نقشہ بھی اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا جبکہ وہ کافی دیر سے گھر آیا تھا۔

اس وقت کی حالت اس کی نگاہوں کے سامنے تھی معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ کسی غیر عورت سے ملاقات کر رہا ہو اور وہ عورت اس کے دل میں اپنی بیوی سے زیادہ جگہ پا چکی ہے اور یقیناً یہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے وہ رات کا بیشتر حصہ باہر گزارتا ہے۔

یہ سوچ کر وہ رونے لگی، آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، پچھلی باتیں جتنی یاد آتی گئیں اس کا رونا بھی بڑھتا رہا، آئندہ پیش آنے والے پریشان کن واقعات سے اور بھی گریہ و ماتم پر آمادہ کر رہے تھے، وہ اُس رات بھر کر روئی۔ تمام کمرے میں حزن وملال کا عالم طاری تھا۔ جاں سوز منظر دیکھ کر وہاں کی ہر چیز اُسکے غم میں ڈوبی ہوئی زبانِ حال سے سوگوار معلوم ہوتی تھی۔ وہاں کا ذرہ ذرہ اس کی غمخواری میں نوحہ خواں تھا، وہ غم کی ماری سوگ میں اپنی سیہ بختی و بدقسمتی کو سوچ کر آہ وبکا میں مصروف تھی اور رنج والم کی تصویر بنے اپنے سوختہ جگر ہمہ تم سرازبان سے آہ و نالہ کی خاموش صدائیں بلند کر رہی تھی —— دل غمگین تھا، دماغ پریشان اور آنکھیں پُرنم —— کیسی بھیانک رات تھی وہ!

رات کا خاموش اور پُرسکون وقت ہے، ہر طرف سکوت چھایا ہوا ہے، فلک پر تارے چمک رہے ہیں اور ان تمام حوادث و واقعات کا خاموشی سے مشاہدہ کر رہے ہیں جو ان کی بھینی روشنی میں وقوع پذیر ہوتے ہیں، کتنے ہی عجیب واقعات ہیں جو رات کی اس خاموش فضا میں رُونما ہوتے ہیں، کتنی مصیبتیں ہوتی ہیں جو اسی اندھیرے وقت میں انسانوں پر ٹوٹتی ہیں۔ کتنی خوشیاں اور رنگ رلیاں ہیں جو ایسے ہی سہانے وقت انجام پذیر ہوتی ہیں، کتنی آنکھیں ہیں جن کو اسی وقت آرام نصیب ہوتا ہے اور کتنی آنکھیں ہیں جو اس وقت بھی چین سے نہیں سوتیں اور تارے گنتے گنتے رات گزار دیتی ہیں۔

ان ہی شب بیدار مصیبت زدوں میں ایک نجمہ بھی ہے۔ جو ابھی تک اسی طرح بیچین و مضطرب ہے۔ اس نے اپنی بہن کی "نصیحتوں" پر غور کیا، شیطان نے اس کے فکر و پریشانی میں اور اضافہ کر دیا، دُکھ اور بیچینی بڑھتی گئی۔ پھر اس نے گزشتہ چھ ماہ کی ازدواجی زندگی کے پُرمسرت لمحات یاد کئے اور اس عرصہ کی باہمی اُلفت ومحبت کا تصور کیا —— لیکن پھر وہ خیالات کی رَو میں بہہ گئی اور مستقبل اُسے تاریک نظر آنے لگا۔ غم وافسوس اور رنج والم میں وہ کھو چکی تھی۔

گو وہ نیک بخت ہر چیز سے خوش ہو جاتی تھی مگر آدھی رات تک اُسے کوئی چیز ایسی نظر نہ آئی جو اُسے خوش کر سکے۔

بالآخر وہ تھک کر صوفہ کی پشت سے لگ کر بیٹھ گئی۔

اور ان تمام حالات وواقعات کو یاد کرنے لگی جو اسکی عجیب زندگی میں پیش آئے تھے۔

—— ایک وقت تھا کہ وہ مشن اسکول میں پڑھتی تھی، اس زمانہ میں اسے زندگی کا کچھ احساس ہو چلا تھا، دنیا اُس وقت اسے ایک حسین خواب نظر آنے لگی تھی —— اب اس کے حافظہ کی گرہ کھلنے لگی اور تمام گزرے ہوئے واقعات آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔

—— اس کے آخری سال میں وہ صحیح راستہ سے کتنی بھٹک چکی تھی، ہدایت ونیکی کی راہ سے وہ کوسوں دُور جا پڑی تھی عشق ومحبت سے وہ کتنی ہی بار لذت اندوز ہوئی، اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ عیش وعشرت کے مزے لوٹے —— اور دنیا کی ان تمام لذّتوں سے لطف اندوز ہوتی جن سے ہر دُنیا کا پجاری ہوا کرتا ہے ...... لیکن ان سب خرافات سے آخر اسے حاصل کیا ہوا؟

—— عشق ومحبت سے سوائے پریشانی اور پراگندہ خیالی کے اُسے کیا ملا۔ لہو ولعب میں سوائے دھوکہ وفریب کے کیا حاصل ہوا، عیش وعشرت میں سوائے حسین خوابوں اور خوش کُن امیدوں کے اس نے کیا پایا —— اس کو نیکی وسعادت کا ذائقہ اور قلب وضمیر کا اطمینان اسی وقت نصیب ہوا جبکہ یہ خواب ختم ہوا اور اس کی عقل بیدار ہوئی قلب نے کروٹ بدلی اور اسے نیکی وہدایت کے راستے پر لا کھڑا کیا جبکہ نفس مغلوب ہوا اور ضمیر نے فتح پائی۔

وہ یہ سب باتیں یاد کر کے سکون واطمینان ک سانس لے رہی تھی اور اپنی دونوں حالتوں پر غور کر ایمان ویقین میں پختگی محسوس کر رہی تھی۔

—— لیکن اب وہ ان فانی لذات کے مقابلہ میں سے محرومی کو ترجیح دے رہی تھی، کیونکہ اسے آخرت دائمی انعامات کا علم ویقین ہو چکا تھا، جن کا وعدہ نے دیا ہے —— اب اسے ازدواجی زندگی کی تلخ اس عذاب کی مصیبت سے سہل معلوم ہو رہی تھی جو وفجور کا لازمی ثمرہ ہے۔ کاش کہ وہ اپنے خاوند خیالات بھی بدل سکتی اور اس کی خواہشوں کو زیر کر

جیسے ہی اسے خاوند یاد آیا، شیطان نے ا متعلق قسم قسم کے وسوسے دل میں دوبارہ ڈالنے ش کر دیئے اور اسکے اعمال وافعال بد سے بدتر صور پیش کرنے لگا۔ اس کے ذہن میں وہ مجسم ہو کر سامنے اور اس پر غصہ ہوتے اور دباؤ ڈالتے نظر آنے لگا۔ اس نے پھر رونا شروع کر دیا، رنج وغم نے اب بھی کا پیچھا نہ چھوڑا تھا۔

—— ابلیس اور اس کے لاؤ لشکر پر خدا کی لعنت یہ ابنائے آدم سے کبھی مایوس نہیں ہوتا، ہر د ان کو بہکانے میں کوشاں رہتا ہے

—— اس عیار ومکار کو معلوم ہے کہ جیسے انسان میں شہوت پرستی اور عیاشی کے ذریعہ گمراہ ہوتا ہے

طرح تنگی و پریشانی میں بے صبری اور گرم مزاجی سے بھٹک جاتا ہے...... اسی لئے آج رات وہ اس پر منڈلا رہا تھا اور اس کی والدہ اور بہن کے جانے کے بعد برابر اپنا اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس حد تک کامیاب بھی ہو گیا کہ نجمہ اپنی قسمت کو بُرا بھلا کہنے لگی جس کے باعث اس کی ایسی ناپسندیدہ جگہ شادی ہوئی ـــــ وہ اپنی بدبختی کو رو رہی تھی اور اپنی امیدوں پر پانی پھر جانے کا افسوس کر رہی تھی۔

لیکن خدا کی رحمت اس موقعہ پر دستگیر ہوئی۔ اس نے پہلے ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ شیطان لعین کا داؤ اپنے ہمجنسوں پر تو چل سکتا ہے لیکن مؤمنوں کو وہ بہکا نہیں سکتا۔ چنانچہ اس نے فرمایا:

ـــــ "میرے بندوں پر تیرا زور نہیں چل سکتا سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیری پیروی اختیار کر لیں۔"

چنانچہ ابھی اسے نالہ وزاری اور شومئ قسمت کا گلہ کئے تھوڑی دیر گذری تھی کہ اس کی عقل بیدار ہوئی اور ایک مخفی آواز نے اسے چونکا دیا۔ یہ وہی مخفی آواز تھی جس نے اسے پہلی مرتبہ اپنے والد کے اعمال و اخلاق اختیار کرنے اور ان کی راہ وروش پر چلنے کی تنبیہہ وتلقین کی تھی......

ـــــ اس مرتبہ معلوم ہے اس نے کیا کہا؟

ـــــ اس رات نجمہ نے اُسے یہ کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو ان کی قوتِ ایمانی کے امتحان اور جذبہ توکل کی آزمائش کے لئے مختلف قسم کے مصائب میں مبتلا کرتا ہے ـــــ اس کے بعد اُسے شیطانی ہتھکنڈوں اور ابلیسی مکر وفریب سے آگاہ کیا اور خداوند تعالیٰ کا یہ فرمان یاد دلایا:

ـــــ "کیا لوگوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ وہ محض اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لے آئے" اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ حالانکہ ہم نے اِن سے پہلے لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈالا ہے اور اب بھی خداوند تعالیٰ یہ معلوم کر کے رہیگا کہ (دعوائے ایمانی میں) سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔"

پھر اس مخفی آواز نے نجمہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس امتحان میں پوری اُترے اور اپنے صابر و مستقل مزاج ہونے کا ثبوت دے۔ ضمیر کی اس آواز کو نجمہ نے فوراً ہی لبیک کہا اور رونا دھونا بند کر دیا۔ حرارتِ ایمانی نے اسکے دل کو ڈھارس باندھی، لیکن پریشانی و اضطراب کے اثرات اب بھی کچھ باقی تھے ـــــ اس نے خدا سے رجوع کیا اور اس سے مدد کی طالب ہوئی۔

اس کے بعد اس نے عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا اور تقدیر کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

ابھی نیند نے اس کی آنکھوں سے کھیلنا شروع نہیں کیا تھا کہ اسے چند باتیں یاد آگئیں۔ سب سے پہلے اسے اپنا وہ عہد یاد آیا جو اس نے اپنی ازدواجی زندگی کے آغاز میں اپنے سے کیا تھا ـــــ کہ وہ اپنے پروردگار کی اطاعت، خاوند کی ادائیگئ حقوق اور خلقِ خدا سے نیک سلوک کرے گی۔ اس نے سوچا کہ اب وہ خلقِ خدا

سے مزید احسان و ہمدردی سے پیش آئے گی اور حتی الوسع ان کا خیال رکھے گی ـــــ پھر اس نے ارادہ کیا کہ وہ ہر ہفتہ گھر پر سہیلیوں کا اجتماع کیا کرے گی تاکہ وہ بھی اس کے استاد کے دروس و ارشادات سے بہرہ اندوز ہوں۔

اس طرح نجمہ نے اپنی زندگی کا ایک دھندلا سا خاکہ ذہن میں بٹھالیا کہ وہ کس طرح اپنے خاوند کے معیوب اعمال و افعال کا غم وفکر دور کر سکتی ہے اور اپنی دینی تعلیم مکمل کر سکتی ہے۔

وہ ابھی یہ ارادے پختہ کر رہی تھی کہ اس کا خاوند حسب معمول جھوٹے بہانے بناتا ہوا تقریباً آدھی رات کو گھر میں داخل ہوا۔

دن اسی طرح گزرتے گئے حتیٰ کہ تمام سرما بیت گیا لیکن محسن کی وہی رفتار رہی، وہ کافی رات گزرنے پر گھر واپس لوٹتا اور قسم قسم کے عذر تراش کر اُسے چپ کر دیتا۔

نجمہ بھی اس تمام عرصہ میں خاموش رہی وہ اپنے گھر والوں اور غیر لوگوں کے سامنے خوش و خرم بنی رہی سوائے اُسکے اور اسکے پروردگار کے کوئی اصل حالات سے واقف نہ تھا کہ وہ کتنے غم میں مبتلا ہے اور کیا کیا صبر جھیل رہی ہو۔

بعض اوقات وہ ارادہ بھی کرتی کہ اپنے والدین سے یا اُسکے سرپرستوں سے اِن تمام باتوں کی شکایت کرے جیسا کہ عام طور پر دوسری عورتیں کیا کرتی ہیں لیکن وہ باز رہی اور ان کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ تنگی و خوشحالی میں میرا بس خدا کارساز ہے، وہی یہ مشکل آسان کرے گا، لہٰذا وہ اس بارے میں کسی اور کا دست نگر ہونا پسند نہ کرتی تھی۔

اس کو یقین تھا کہ اگر خدا نے دستگیری کی تو وہ اکیلی ہی اس کو راہ راست پر لے آئے گی، چنانچہ اس تمام عرصہ میں وہ بالکل مُنہ بند کئے نہ رہی بلکہ جب بھی موقعہ ملتا اس پر نکتہ چینی کرتی اور اصلاح و سُدھار کے لئے موقعہ بموقعہ ہر موزوں طریقہ استعمال کرتی۔

کبھی وہ ہمدردانہ طریق پر سمجھاتی، کبھی ملامت کرتی اور غیرت دلاتی، کبھی تنبیہہ کرتی اور غلط روش کے انجام سے خوف دلاتی۔

نجمہ نے اسے راہ راست پر لانے کے سب جتن کئے لیکن وہ باز نہ آیا، کوئی نصیحت کوئی ملامت اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ وہ اسی طرح گمراہی کے گڑھے میں پھنسا رہا بلکہ الٹا نجمہ کی عیب چینی کرنے لگا اور اُس کی راہ ورسم کو غلط قرار دینے لگا۔ اس کی نظر میں تھا بھی ایسا ہی!

الغرض ان دونوں کے مابین صورت حال بد سے بدتر ہوتی گئی، محسن اپنے اُسی طور طریق پر آچکا تھا جس پر شادی سے قبل تھا۔ نجمہ اس میں وہ تمام اذیت رساں باتیں پا رہی تھی جو اس کی والدہ، بہن اور سہیلیوں میں ملتی تھیں۔

ـــــ اب وہ بیچاری کیا کرے؟ اس شیطانی قوت کے سامنے اس کا کیا بس چل سکتا تھا؟ اب وہ کیا کر سکتی تھی؟

ـــــ بس صبر اور خدا پر توکل!

اب خدا ہی اسکا مددگار ہو اور وہی کارساز ہے"۔

"نجمہ کی انیسویں قسط...... ماہ دسمبر کے "تذکرہ" میں...... ملاحظہ فرمائیے"

بشیر محمد۔ طابع و ناشر نے مشہور آفسٹ لیتھو پریس، کراچی میں طبع کرا کر، دفتر "تذکرہ" آرام باغ کراچی سے شائع کیا۔

TAZKERAH

ماہوار رسالہ تذکرے آرام باغ کراچی

Regd. No. S-1733